المعین الکبیر

لحل مشکلات

الفوز الکبیر

مؤلف
قطب الدین ۲۴ پرگنوی
متعلم دار العلوم دیوبند

اشرفی بک ڈپو دیوبند یوپی، انڈیا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تفصیلات

کتاب کے جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: المعین الکبیر لحل مشکلات الفوز الکبیر
مؤلف : قطب الدین ۲۴ پرگنوری
کمپوزنگ: عبداللہ
تعداد : ۱۱۰۰
صفحات : ۲۰۸
پہلا ایڈیشن ———— جولائی ۲۰۱۸ء
باہتمام ———— سعود علی

ناشر

اشرفی بک ڈپو دیوبند، یوپی (انڈیا)

ASHRAFI BOOK DEPOT
Deoband (U.P) India - 247554
Ph:- 09358001571, 01336-223082
Email:- ashrafibooks@gmail.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مراجع ومصادر

(۱)علوم القرآن.. تقی عثمانی
(۲)علوم القرآن واصول التفسیر.......................... سید مسعود احمد ہاشمی
(۳)سعادۃ العلوم فی مبادیات الفنون...................... عبدالرحمٰن رویدروی
(۴)ایمانیات.. سید مسعود احمد ہاشمی
(۵)معارف قاسم جدید (ماہنامہ).......................... جنوری، مارچ ۲۰۱۲ء شمارہ نمبر ۲۱
(۶)العون الکبیر.. سعید احمد پالن پوری
(۷)الروض النضیر.. حنیف گنگوہیؒ
(۸)الفوز العظیم... خورشید انور فیض آبادی
(۹)الخیر الکثیر.. امین پالن پوری
(۱۰)احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن..................... سید مناظر احسن گیلانیؒ
(۱۱)الفوائد الراشدیہ..

☆☆☆

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ کا تجربہ

”کمال صرف یہی نہیں ہے کہ اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیش کی جائے، بلکہ دوسروں کے کلام سے چھلکوں کو اتار کر صرف مغز برآمد کر لینا اور جہاں تک ضرورت ہو ٹھیک اسی جگہ پر موقع موقع کے ساتھ اس کو درج کر کے مشکلات کو حل کرتے چلے جانا بجائے خود ایک ایسا کمال ہے کہ اپنی طرف سے کچھ لکھ لکھا دینا، تجربہ بتاتا ہے کہ اس سے زیادہ آسان ہے“۔

(بحوالہ احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن ص: ۳۵، مکتبہ طیبہ دیوبند، ۲۴۷۵۵۴، مصنف حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ)

☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انتساب

اولاً:

بندہ خاکسار اپنی اس معمولی علمی کوشش اور جدوجہد کو والدین محترمین کی طرف منسوب کرنا باعث سعادت سمجھتا ہے، جن کی مخلصانہ دعاؤں کے نتیجے میں بندہ اس خدمت کے لائق ہوا، اللہ پاک والد مرحوم کی قبر کو نور سے منور فرمائیں اور ان کے درجات کو بلند فرمائیں اور والدہ محترمہ جو کہ دعاؤں کا خزینہ ہیں، ان کے سایۂ عاطفت کو عافیت کے ساتھ ہم پر تادیر قائم رکھیں۔ آمین!

ثانیاً:

ان تمام اساتذۂ کرام کے نام نذر عقیدت ہے جن کی خدمات میں زانوئے تلمذ تہہ کر کے مجھے علم وعمل سے کچھ آگہی حاصل ہوئی، خصوصاً مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قاسمی اور مفتی امتیاز مظاہری کے نام جن کے دامن شفقت میں رہ کر علوم نبوت اور اسرار شریعت سے قلب وجگر کو منور کرنے کی سعادت ملی۔

ثالثاً:

ملت بیضا کی عزت کو چار چاند لگانے والی مادر علمی دار العلوم دیوبند اور مغربی بنگال کے دار العلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ مظاہر العلوم، پانسکوڑا (مدناپور) جس کی روح پرور اور علمی فضاؤں میں رہ کر مجھے کچھ لکھنے پڑھنے کا ذوق وشوق پیدا ہوا اور شعور ومعرفت سے آگہی حاصل ہوئی۔

احقر العباد

محمد قطب الدین

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عرض مرتب

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد کتاب ہے جس کے ترجمہ وتفسیر کا اہتمام تمام زندہ زبانوں میں کیا گیا ہے، آج کتب تفسیر کی صورت میں جو علمی ذخیرہ دستیاب ہے اس کی نظیر علمی دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے، یہ فن دنیا کی مقدس ترین کتاب سے متعلق ہونے کے ناطے بے حد اہم ہے، بیسویں صدی کے عظیم مجتہد اور انقلابی رہنما حضرت امام خمینیؒ کا ایک جملہ ہے: کہ یہ قرآن اتنی بڑی نعمت خداوندی ہے کہ اگر کوئی انسان اپنی تمام عمر سجدۂ شکر میں گزار دے تب بھی اس نعمت کا حق شکر ادا نہیں کر سکتا۔

قرآن کریم کی سب سے بڑی عظمت تو یہی ہے کہ وہ ''کلام الٰہی'' ہے یعنی اگر اس کتاب مجید کی تلاوت کرنے والا ''دلِ آگاہ'' کی ''دولت بیدار'' کا مالک ہو تو یقیناً اس کیف وسرور سے محظوظ ہوگا جس کی ترجمانی اس رباعی میں کی گئی ہے۔

قرآن جو نوازش کا چمن ہے تیرا
اک فیض ہے اک لطف کہن ہے تیرا
رکھتا ہے جو مسرور وخود آگاہ مجھے
اے ربِ سخن لطف سخن ہے تیرا

کتاب الٰہی کی توضیح وتفسیر اور کما حقہ اس کے افہام وتفہیم کے لیے علماء سلف وخلف کے مفسرین کرام ومحدثین عظام نے کتاب اللہ وسنت رسول سے بہت سے اصول وضوابط کو اخذ فرما کر قوم وملت کے سامنے پیش کیا۔

ان باسعادت مفسرین میں الامام الاکبر، سید اللطائف، ومسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ قطب الدین محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ کا نمایا مقام ہے، انہوں نے اصول تفسیر میں بہت ہی مختصر، جامع، آسان فہم اور مفید ترین کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' لکھی،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جو پاک و ہند اور بنگلہ دیش کے تمام مدارس عربیہ میں داخل نصاب ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھائی بھی جاتی ہے۔

چونکہ مصنف علام کے زمانے میں اکثر علماء اور بیشتر مشائخ کا یہ خیال تھا کہ قرآن کریم اخص الخواص کے مطالعہ، غور وفکر اور فہم وتفہیم کی کتاب ہے، اس کو عوام کے سامنے لانا، عوام کو براہ راست اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی دعوت دینا سخت خطرناک ہے، عوام کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا ہے اور خود رائی اور علماء سے بے نیازی بلکہ بغاوت وسرکشی کی دعوت دینا ہے۔

جب کہ امت میں پھیلے ہوئے الحاد وزندقہ، بدعات وخرافات اور احکام شریعت سے بے اعتنائی کا خاتمہ، اور دین کی صحیح سمجھ، جذبۂ عمل، خوف خدا، فکر آخرت، بدعت سے نفرت اور سنت سے محبت پیدا کرنے کا سب سے بڑا مؤثر ذریعہ قرآن کریم ہی ہے، اس لیے مصنف موصوف نے اپنے زمانہ کی عام فہم فارسی زبان میں قرآن کے اصول تفسیر کے سلسلے میں یہ کتاب (الفوز الکبیر) تصنیف فرمائی۔

اس فارسی کتاب کی مختلف حضرات نے تعریب کی ہے، سب سے بہترین تعریب حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ، محدث دار العلوم دیوبند نے کی ہے، جو دار العلوم و دیگر مدارس عربیہ میں شامل درس ہے، موصوف نے ''العون الکبیر'' کے نام سے اس کی عمدہ عربی شرح بھی لکھی ہے، اور دیگر متعدد حضرات نے بھی اس کی اردو شروحات لکھی ہیں، بندۂ ناچیز ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''المعین الکبیر'' کے نام سے ''الفوز الکبیر'' کے مشکل مقامات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ رب العزت سے التجاء ہے کہ وہ اس کتاب کو قبولیت عامہ سے نوازے۔ آمین

محمد قطب الدین ۲۴ پرگنوی

متعلم دار العلوم دیوبند

۱۴۳۹/۱۰/۲۷ھ = ۲۰۱۸/۷/۱۱ء

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مقدمۃ الکتاب

از: محمد قطب الدین ۲۴ پرگنوی

قرآن وہ آخری آسمانی کتاب ہے جو خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر اللہ رب العزت کی طرف سے نازل ہوئی، قرآن قرأ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "پڑھنا" اور بے شک اس کے نزول سے آج تک کوئی لمحہ بھی دنیا میں ایسا نہیں گزرتا جب اس کی تلاوت اور اس پر عمل نہ کیا جاتا رہا ہو۔

قرآن ایک مکمل دستور حیات ہے جس کی تعلیمات مکمل طور پر فطرت انسانی اور عقل سلیم کے مطابق ہیں، اس کا مقصد بنی نوع انسان کو راہ ہدایت دکھاتا ہے تاکہ اس پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی حاصل کی جا سکے، اپنی اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن مسلمانوں کی توجہ کا سب سے زیادہ مرکز رہا اور اس کے فہم و تفہیم کے سلسلے میں زبردست کاوشیں کی گئیں، نتیجے کے طور پر مختلف علوم جیسے: لغات القرآن، اعراب القرآن، بدائع القرآن، قصص القرآن، احکام القرآن، اعجاز القرآن، الفاظ القرآن، امثال القرآن، متشابہات القرآن اور خواص القرآن وغیرہ وجود میں آئے جن کی تعداد علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کے مقدمہ میں بیان کی ہے۔ (مولانا اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی، ۱۹۸۹، ص ۳۱)

قرآن عربی میں نازل ہوا جس میں آیات بینات ہیں، اسی لیے یہ نور مبین کہلایا، بنیادی طور پر قرآن نے خود اپنی آیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (آل عمران) آیات محکمات اور آیات متشابہات۔

آیات محکمات وہ ہیں جو اپنے مطلب کے بیان کرنے میں بالکل صاف اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

واضح ہیں جن کا تعلق ہماری علمی واعتقادی زندگی کے بنیادی مسائل سے ہے، یعنی جن اصول دین واحکام شریعت میں یا گزشتہ انبیاء واقوام کے عبرت انگیز واقعات ہیں، آیات متشابہات وہ ہیں جن کا تعلق اس عالم محسوسات سے ماوراء احوال وامور سے ہے، جن کو صرف راسخون فی العلوم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ (آل عمران: ۷)

قرآن مجید میں انسانی فطرت کا لحاظ کرتے ہوئے طوالت واختصار کے بیچ توازن برقرار رکھا گیا ہے اور محدود الفاظ میں لامحدود مطالب بیان کے گئے ہیں جسے سمجھنے کے لیے علم تفسیر وجود میں آئی، جو ہر اس علم کو سموئے ہوئے ہے جس سے کلام الٰہی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہو۔

فن تفسیر با قاعدہ ایک فن کی حیثیت سے تیسری صدی کے آخیر میں متعارف ہوا ہے، ویسے فن تفسیر کی داغ بیل جناب نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام کے دور مسعود میں ہی پڑ چکی تھی۔

تفسیر کی لغوی بحث:

تفسیر فَسَّرَ کا مصدر ہے، از باب تفعیل، اس کا معنی ہے بیان وشرح کرنا اور کشف اور اظہار کا معنی بھی ہے، نیز واضح کرنے اور کھول کر بیان کرنا۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ اسی معنی میں آیا ہے، آیت ہے: ولا یأتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیراً (الفرقان آیت ۳۳) اس آیت میں تفسیر سے مراد بیان اور تفسیر ہے۔

لفظ تفسیر کا مادہ فسر ہے، اس کا معنی ہے ظاہر کرنا، کھول دینا اور بے حجاب کرنا، فسر مصدر ہے، یہ ضرب اور نصر دونوں کے وزن پر آتا ہے۔

صاحب لسان العرب فرماتے ہیں کہ:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

''فسّر'' کے معنی ہیں ''اظہار وبیان'' یہ باب ضرب اور نصر دونوں سے آتا ہے۔ تفسیر کا مفہوم بھی یہی ہے، مزید کہتے ہیں کہ فسر بے حجاب کرنے کو کہتے ہیں، چونکہ تفسیر کرتے وقت مشکل الفاظ کے معنی ومفہوم کو بے حجاب کردیا جاتا ہے''۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین ص:۱۱)

تفسیر کی اصطلاحی تعریف:

تفسیر کی متعدد اصطلاحی تعریفات کی گئی ہیں:

(۱) ابو حیان ''البحر المحیط'' میں تفسیر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هو علم يبحث فيه عن كيفية النطق بالألفاظ القرآن ومدلولاتها وأحكامها الافرادية والتركيبة. ومعانيها التي تحمل علينا حالة التركيب وتتمّات لذالك.

کہ تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآنی کے تلفظ، ان کے مفہوم ومدلول ان کے احکام افرادی ترکیبی اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن کی حالت ترکیب میں وہ حامل ہوتے ہیں۔ (روح المعانی ج۱/ص۴، الاتقان فی علوم القرآن ج۲/۳۸۳)

(۲) تفسیر کی دوسری تعریف جس کو امام زرکشیؒ نے ان الفاظ میں کی ہے، فرماتے ہیں کہ وہ ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم کے احوال سے بحث ہوتی ہے اس حیثیت سے علم تفسیر کلام اللہ کی مراد پر بقدر طاقت بشری دلالت کرتا ہے اور قرآن کے احکامی مسائل اور اسرار وحکم سے بحث کی جاتی ہے۔ (البرہان للزرکشی ج۱/ص۱۳)

(۳) تفسیر کی تیسری تعریف یہ ہے کہ تفسیر ایک ایسا علم ہے کہ جس میں بشری استطاعت کی حد تک اس امر سے بحث کی جاتی ہے کہ الفاظ قرآن سے اللہ تعالی کی مراد کیا ہے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین ص/۱۳)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۴) تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول، ان کے واقعاتِ متعلقہ و اسبابِ نزول، نیز مکی و مدنی، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفسر، حلال و حرام، وعد و وعید، امر و نہی اور عبرت و امثال وغیرہ سے بحث کی جائے۔ (الاتقان فی علوم القرآن ج ۲/ص ۳۸۳)

الغرض! علم تفسیر کی یہ جتنی تعریفات ذکر کی گئی ہیں سب کا ماحصل ایک ہی ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کو اس طرح واضح طور پر بیان کیا جائے کہ اس کی مراد کھل کر سامنے آجائے۔

فائدہ:

اصطلاح کے لغوی معنی:

اصطلاحی کے معنی: رضامند ہونا، متفق ہونا۔

اصطلاح کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح کی اصطلاحی تعریف کسی خاص جماعت کا کسی خاص لفظ پر کسی خاص معنی کے لیے متفق ہو جانا جیسے: حرف کے لغوی معنی طرف اور کنارہ کے ہیں، مگر نحویوں نے اس لفظ کو ایک خاص چیز کے لیے متعین کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حرف ایسا کلمہ ہے جس کا کوئی مستقل معنی نہ ہو اور بغیر کسی دوسرے کلمہ کو ملائے ہوئے اس کا معنی سمجھ میں نہ آئے، یعنی اپنا معنی بتانے میں کسی دوسرے کلمہ کا محتاج ہو۔

تاویل کا لغوی مفہوم:

تاویل کا مادہ أوّلٌ ہے، جس کا معنی رجوع کرنا، صاحبِ قاموس فرماتے ہیں کہ: أل إليه اولا، یعنی رجوع کرنا، منحرف ہونا۔ (الاتقان ج ۲/ص ۳۸)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تاویل الکلام سے مراد اس کی توضیح اور تشریح ہے، اور لفظ تاویل خواب کی تعبیر کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

تاویل کا اصطلاحی مفہوم:

علمائے سلف کے یہاں تاویل سے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

(۱) کلام کے معنی ومفہوم کو واضح کرنا، خواہ وہ ظاہر کلام کے موافق ہو یا مخالف، اس صورت میں تاویل وتفسیر مترادف ہیں اور ان میں کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔ (الاتقان ج۲/ص۳۸۱)

مشہور تابعی مجاہد صاحب کہتے ہیں کہ علماء قرآن کی تاویل جانتے ہیں، تو ان کی مراد تاویل سے تفسیر ہی ہوتی ہے۔ (تاریخ تفسیر ومفسرین ص/۱۶)

(۲) علماء سلف کی رائے میں کسی کلام سے جو مفہوم مراد مقصود ہے، وہی تاویل ہے، سلف کے نزدیک یہ تاویل کے دوسرے معنی ہیں، چنانچہ کلام اگر کسی خبر یا طلب پر مشتمل ہو تو جو فعل مطلوب ہے یا جو خبر دی جارہی ہے وہی اس کی تاویل ہے۔

متاخرین فقہاء ومتکلمین کی نگاہ میں تاویل کے معنی یہ ہیں کہ کسی دلیل کی بناء پر ایک لفظ کے راجح معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لیے جائیں، اصول فقہ اور اختلافی مسائل میں تاویل سے یہی مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔ (الاتقان ج۲/ص۳۸۱)

تفسیر وتاویل میں فرق:

علماء کے یہاں اس امر میں اختلاف ہے کہ تفسیر اور تاویل کے مابین کیا فرق ہے، اس فرق کا معلوم کرنا ایک دشوار کن معاملہ ہے، ابن حبیب نیشاپوری کہتے ہیں کہ تمہارے زمانے میں ایسے مفسر پیدا ہوگئے ہیں جن سے اگر تاویل وتفسیر کا باہمی فرق پوچھا جائے تو نہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بتا سکیں گے (الاتقان ج۲/ص۳۸۱) مگر پھر بھی اس سلسلہ میں علماء کے متعدد اقوال ملتے ہیں جن کو افادہ کی غرض سے پیش کرتے ہیں:

(۱) امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ تفسیر کے لفظ میں تاویل کی بہ نسبت زیادہ عموم پایا جاتا ہے، تفسیر کا لفظ عموماً الفاظ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور تاویل معنی کے لیے، علاوہ ازیں تاویل کا لفظ اکثر و بیشتر کتب مقدسہ کے لیے بولا جاتا ہے اور تفسیر کتب مقدسہ اور دیگر کتب کے سلسلہ میں بھی بولا جاتا ہے۔

(۲) ابو عبیدہ اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ تفسیر و تاویل کے الفاظ مترادف ہیں اور ان میں کوئی اختلاف اور فرق نہیں پایا جاتا ہے۔

(۳) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: کہ تفسیر کے معنی قطعیت اور یقین کے ساتھ یہ کہنا ہے کہ اس لفظ کا یہی معنی ہے اور خداوند کریم نے یہی مفہوم مراد لیا ہے، علاوہ ازیں ایک لفظ جس میں مختلف معنی کا احتمال پایا جاتا ہو، اس میں سے ایک کو ترجیح دینے کا نام ''تاویل'' ہے، اس میں قطع اور یقین کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۴) ابو طالب ثعلبیؒ فرماتے ہیں: لفظ جس معنی کے لیے موضوع ہو حقیقتاً یا مجازاً، اس کو بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں، برخلاف ازیں کسی لفظ کے باطنی یا اندرونی مفہوم کو واضح کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔

(۵) مفسر بغویؒ فرماتے ہیں: کہ تاویل کے معنی میں آیت سے ایسا مفہوم مراد لینا جس کی اس میں گنجائش ہو اور آیت کے شانِ نزول اور متعلقہ واقعات کو ذکر کرنے کو تفسیر کہتے ہیں۔

(۶) بعض علماء کی رائے میں تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہوتا ہے اور تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۷) بعض مفسرین کے نزدیک ترتیب عبارت سے جو مفہوم مستفاد ہو، اس کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں، اس کے برعکس عبارت میں جو مفہوم اشارۃً معلوم ہوتا ہے، اس کے کشف واظہار کا نام تاویل ہے۔ (دیکھئے، (الاتقان ج ۲/ص ۲، ۳۸۱)

علم تفسیر کا موضوع:

اس کا موضوع نظمِ قرآن ہے جس میں معانی مقصودہ کی شرح وتفسیر اور احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج کی حیثیت سے گفتگو ہوتی ہے۔
بعض لوگوں نے علمِ تفسیر کا موضوع کلام اللہ کو بتایا ہے جو ہر حکمت کا سرچشمہ اور فضیلت کا معدن ہے۔

علم تفسیر کی غرض وغایت:

اس کی غرض وغایت کلام اللہ کے معانی کی فہم تک پہنچنا ہے اور اس کے احکام کا استنباط واستخراج اور اس کی مراد کا جاننا ہے، تاکہ اس سے دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے سرفراز ومالا مال ہو۔

فائدہ:

غرض وغایت میں فرق:

فعل کی غرض کا پہلے سے فاعل کے ذہن میں پایا جانا ضروری ہے کیوں کہ کسی بھی عاقل بالغ کا کوئی کام غرض سے خالی نہیں ہوتا ہے البتہ صدورِ فعل کے بعد ''غایت کا پایا جانا'' ضروری نہیں ہے۔
دوسرا فرق یہ ہے: کہ کام شروع کرنے سے پہلے نتیجہ کو غرض کہتے ہیں اور کام پورا ہونے کے بعد وہی نتیجہ غایت بن جاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تو غرض وغایت دونوں مصداق کے اعتبار سے ایک ہیں، صرف ابتدا اور انتہا کا فرق ہے۔

علم تفسیر کی وجہ تسمیہ:

اس علم کا نام تفسیر ہے اور علم تفسیر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ تفسیر کے معنی کھولنا، بیان کرنا، واضح کرنا، چونکہ تفسیر کے ذریعہ آیاتِ قرآنیہ کی مراد کو واضح کیا جاتا ہے، اس وجہ سے اس علم کو "علم التفسیر" کہتے ہیں۔

علم تفسیر کی فضیلت:

علم تفسیر کی فضیلت تمام مسلمانوں کی طرف نظر کرتے ہوئے تمام علوم میں زیادہ مشرف ومکرم وارفع ہے۔

امام اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ علم تفسیر کی شرافت چند وجوہ سے ہے:

(۱) باعتبار موضوع کے اس لیے کہ اس کا موضوع کلامِ ربانی ہے۔

(۲) دوسرے باعتبار غرض کے اس لیے کہ اس کی غرض اعتصام بحبل اللہ اور اعتصام بالعروۃ الوثقی ہے، اور اس کے ذریعہ سعادت حقیقی تک پہونچنا ہے جو آخری غایت ہے۔

(۳) تیسرے اس کی شدت حاجت کی بناء پر جیسا کہ فرمایا کہ ہر کمال دینی ودنیوی علومِ شرعیہ اور معارفِ دینیہ جاننے کا محتاج ہے اور علوم شرعیہ کا جاننا موقوف ہے کتاب اللہ کے جاننے پر، معلوم ہوا کہ علم تفسیر انسان کی مادی ومعنوی تمام ضروریات کا کفیل ہے۔

افراد وامم کی ترقی کا راز قرآنی تعلیمات کی پیروی اور اس کی حکیمانہ نظم وترتیب میں مضمر ہے، قرآن حکیم بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے جملہ اجزاء وعناصر پر مشتمل ہے،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تعمیل قرآن کے فہم وتدبر کے بعد ہی ممکن ہے، قرآن مجید جس رشد وہدایت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور اس کا معجزانہ اسلوب بیان جن حکمتوں کا جامع ہے جب تک ان سے آگاہی حاصل نہ کی جائے تب تک اس کی پیروی کا کوئی امکان نہیں ہے، یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ ہم قرآنی الفاظ کے معانی ومطالب کو سمجھنے کی کوشش کریں، اس سلسلہ میں علم تفسیر ہی معاون ثابت ہوتا ہے۔

علم تفسیر کا حکم:

چوں کہ قرآن مجید ہمارے لیے ایک دستور اساسی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے احکام وفرمودات پر عمل کرنے ہی میں ہماری نجات ہے اور دنیا وآخرت کی فلاح وکامرانی اسی میں مضمر ہے اور یہ بغیر قرآن کریم کے سمجھے ہوئے اور معانی ومطالب پر غور کیے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا ہے، اس لیے اس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض کفائی کا درجہ رکھتا ہے تاکہ خود بھی قرآن کے منشاء کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی قرآن کے احکام کی دعوت دے سکے۔

علم تفسیر کی نسبت:

علماء کرام نے تمام علوم کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) علوم شرعی (۲) علوم غیر شرعی

علوم شرعی چار ہیں: (۱) حدیث (۲) تفسیر (۳) فقہ (۴) کلام

علوم غیر شرعی تین ہیں: (۱) ادب (۲) ریاضی (۳) عقلی

ادب مندرجہ ذیل علوم پر مشتمل ہے: لغت، اشتقاق، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، عرض شعر، انشاء، قرأت، کتابت، محاضرات۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ریاضی میں مذکورہ علوم آتے ہیں: ہیئت، ہندسہ، تصرف، حساب، جبر، موسیقی، اخلاق، تدبیر منزل، سیاستِ مدنیہ۔

عقلی مذکورہ علوم پر مشتمل ہے: اصول دین، اصول فقہ، علمِ الٰہی، علمِ طبعی، طب، منطق، فلسفہ، کیمیا، میقات۔

پس معلوم ہوا کہ علم تفسیر علوم شرعیہ کی دوسری قسم ہے۔

تفسیر کے اقسام:

بنیادی طور پر تفسیر کی دو قسمیں ہیں: (اول) تفسیر بالماثور (منقولی تفسیر) وہ تفسیر جو قرآن، حدیث اور اقوام صحابہ وتابعین کی روشنی میں کی جائے۔

تفسیر بالماثور کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) تفسیر القرآن بالقرآن: قرآنی آیات کی وہ تفسیر جو قرآن کی ہی دوسری آیات کی مدد سے کی جائے۔

(ب) تفسیر القرآن بالحدیث: قرآن کی وہ تفسیر جو احادیث صحیحہ کی مدد سے کی جائے۔

(ج) تفسیر القرآن باقوال صحابہ وتابعین: (قرآن کی وہ تفسیر جو آثار صحابہ واقوام تابعین کی مدد سے کی جائے) تفسیر بالماثور میں "جامع البیان فی تفسیر القرآن" از ابن جریر طبریؒ، تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیرؒ اور الدرر المنثور فی التفسیر الماثور، از جلال الدین سیوطی وغیرہ مشہور ومعروف تفاسیر ہیں۔

(ثانی) تفسیر بالرائے: قرآن کی وہ تفسیر جو اجتہاد اور دلائل واستدلال کی مدد سے کی جائے۔ لفظ "الرائے" سے مراد اعتقاد، اجتہاد اور قیاس ہے، اس لیے قیاس کے قائلین کو اصحاب الرائے کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(ا) تفسیر بالرائے جائز: قرآن کی وہ تفسیر جس میں ایسی رائے کا استعمال

کیا جاتا ہے جو کتاب وسنت سے ہم آہنگ ہو اور اس میں تفسیر کی تمام ضروری شرائط کا دھیان رکھا گیا ہو نیز کلام عرب سے بھی استفادہ کیا گیا ہو۔

(ب) تفسیر بالرائے ناجائز: قرآن کی وہ تفسیر جس میں ایسی رائے کا استعمال کیا گیا ہو جو شرعی دلائل سے مطابقت نہ رکھتی ہو اور اس میں تفسیر کی ضروری شرائط کا فقدان ہو۔ (پروفیسر غلام محمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، تاج کمپنی، دہلی، ص/۲۳۳، ۲۴۰) تفسیر بالرائے جائز میں مفاتیح الغیب، از امام رازی، انوار التنزیل واسرار التاویل از امام بیضاویؒ وغیرہ تفاسیر شمار کی جاتی ہیں۔

علم تفسیر کا ماٰخذ:

(۱) قرآن: تفسیر قرآن کا اولین ماخذ خود قرآن کریم ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی قرآنی آیت کی تفسیر میں اس موضوع سے متعلق قرآن کی تمام آیات کو جمع کرلیا جائے، پھر ان کا تقابلی جائزہ لیا جائے، کیونکہ قرآن میں بعض آیات کا کہیں اجمالی بیان ہے اور کہیں تفصیلی بیان ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے: القرآن یفسر بعضہ بعضاً.

(۲) حدیث: قرآن کی تفسیر کا دوسرا اہم ماخذ نبی کریم ﷺ کی حدیث وسنت ہے، کیونکہ تفسیر کے لیے آپ من جانب اللہ مامور تھے، البتہ تفسیر کے سلسلہ میں صرف صحیح ومرفوع احادیث کا استعمال ہی کیا جانا چاہیے۔

(۳) آثار صحابہ: تفسیر قرآن میں کتاب وسنت کے بعد آثار صحابہ کی اہمیت ہے جنہیں بطور سند تسلیم کیا جاتا ہے، کیونکہ صحابہ کرام قرآن کے عالم محرر اور اس کے زند گواہ تھے، اس سلسلے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ آثار صحابہ میں کافی ملاوٹ پائی جاتی ہے۔

(۴) اقوال تابعین: تفسیر میں آثار صحابہ کے بعد اقوال تابعین کو ہمیت حاصل ہے، کیونکہ وہ صحابہ کے شاگرد اور خود قرآن کے زبردست عالم تھے، نیز ان کا زمانہ نزول

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قرآن کا قریب ترین زمانہ تھا لہذا فہم قرآن میں ان کا درجہ بلند ہے۔

(۵) لغت: تفسیر کے سلسلے میں عربی لغت کا ایک خاص مقام ہے، کیونکہ قرآن فصیح وبلیغ عربی میں نازل ہوا، لہذا ایک مفسر کے لیے لغت سے استفادہ کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(۶) خداداد فہم قرآن: قرآن کی تفسیر میں خداداد فہم کا ایک الگ رتبہ ہے کیونکہ قرآن کے تقاضوں اور شریعت کی روح کے مطابق ہی تفسیر کی جاتی ہے، اس کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حق میں یہ دعا کے کہ ''اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا کر اور اسے قرآن کی تاویل سکھا دے'' اور یہ کہ جب حضرت علیؓ سے یہ سوال کیا گیا'' آیا قرآن کے سوا بھی آپ کے پاس رسول کریم ﷺ سے منقول کوئی چیز موجود ہے؟ آپ کا جواب تھا: خدا کی قسم ہمارے پاس اور تو کچھ نہیں صرف قرآن ہے جس کو خدا عطا کر دے''۔ (پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، تاج کمپنی، دہلی، ص/۲۵۱)

فن تفسیر کا واضع:

علوم اسلامی میں فنی اعتبار سے فن تفسیر ہی سب سے پہلے وجو میں آیا، قرآن کے سب سے پہلے مفسر اللہ تعالی اور پہلا تفسیری سرمایہ قرآن مجید ہے۔

ثُمَّ اِنَّا عَلَيْنَا بَيَانَهُ. (۷۵/۱۹) ''پھر اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے''۔

كتاب احكمت آيته ثم فصلت من لدن حكيم خبير. (۱۱/۱) ''یہ مکمل کتاب ہے جس کی آیات محکم بنائی گئی ہیں پھر حکمت اور خبر رکھنے والے اللہ کی طرف سے ان کی بیان تفصیل کی گئی ہے''۔

ولقد جئناهم بكتب فصلناه على علم. (۷/۵۲) ''ہم ان کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کی تفصیل ہم نے علم کے ساتھ کی ہے''۔

وهو الذين أنزل اليكم الكتب مفصلا. (۶/۱۱۵) ''اور وہی اللہ ہے جس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نے تمہاری طرف کتاب اتاری تفصیل شدہ"۔

قد فصلنا الآیت لقوم یعلمون .(۶/۹۸) "ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لیے کی ہے جو علم رکھتے ہیں"۔

قد فصلنا الأیت لقوم یفقهون .(۶/۹۹) "ہم نے آیات کی تفصیل ان لوگوں کے لیے کی ہے جو فہم رکھتے ہیں"۔

قرآن کے دوسرے مفسر و ترجمان رسول اللہ ﷺ ہیں جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم .(النحل:۴۴) "اور ہم نے آپ پر نازل کیا تا کہ آپ اسے لوگوں کے لیے واضح کریں"۔

اور اس طرح دوسرا تفسیری خزانہ احادیث رسول ہیں، ابن جرجانی کا قول ہے کہ جس قدر صحیح حدیثیں ہیں ان کی اصلیت قرآن میں یا قریب قریب موجود ہے: (عبدالصمد صارم الازہری، تاریخ التفسیر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۱۹) اسی طرح صحابہ عام طور پر جب کوئی حدیث نقل کرتے تو اس کی تصدیق کے لیے اس کے ساتھ قرآن آیت بھی پڑھتے۔

ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسکین وہ نہیں جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے دیے جاتے ہیں، مسکین وہ ہے جو سوال نہ کرے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھی: لا یسئلون الناس الحافاً .ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی قلب میں اس کا خطرہ گزرا، اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھو: فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین .(عبدالصمد صارم الازہری، تاریخ التفسیر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص/۲۰)

عہد رسالت میں آپ کی بتائی گئی قرآنی تفسیر زیادہ تر حفظ اور کچھ تحریر کر لی گئی مگر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تفسیر کے نام سے باقاعدہ کوئی کتاب مرتب نہیں کی گئی تھی۔ (حضور کے اسم گرامی کے ساتھ ایک تفسیر منسوب ہے جس کا نام تفسیر النبی ہے، یہ شیخ ابوالحسن محمد بن قاسم الفقیہ کی روایت ہے۔ (بحوالہ عبدالصمد صارم الازہری، تاریخ التفسیر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۲، ص/۲۰)

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" کی آخری فصل میں ان تمام تفسیری روایات کو جو صحابہ کے توسط سے رسول ﷺ سے منقول ہیں اکٹھا کرلیا ہے، یہ تمام روایات ان کی کتاب کے بیس صفحات سے بھی کم پر مشتمل ہیں، نیز جرح وتنقید کے بعد ان میں اور بھی کمی ہو جاتی ہے۔ (مولانا اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۹، ص/۱۶)

الغرض میدان تفسیر میں بھی علمائے حدیث وروایت نمایاں نظر آتے ہیں اور ان کی کتابوں میں تفسیر بالروایت ملتی ہے، جیسے: امام بخاری کی صحیح بخاری میں "کتاب تفسیر القرآن" اور "کتاب فضائل القرآن" کے نام سے دو ابواب موجود ہیں، غالباً صحیح بخاری کے آٹھویں حصے کے برابر ہیں۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۲، ج ۶/ص ۴۹۲)

قرآن حکیم میں جگہ جگہ تفکر وتدبر کی دعوت دی گئی ہے، چنانچہ صحابہ کرام قرآن میں غور کرتے اور اگر مشکل پیش آتی تو رسول سے دریافت کرتے، البتہ سوال کرنے سے بہت زیادہ احتراز کرتے، کیونکہ کثرت سوال کی آفتوں کو اچھی طرح جانتے تھے، لہٰذا جو معلوم ہوتا اسی پر عمل کرتے ہوئے اکتفا کرتے اور خود تفسیر قرآن کے سلسلے میں وہی بات کہتے جو حضور ﷺ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ معلوم ہوتی، تفسیر کے سلسلے میں صحابہ کے رویہ کی بہت خوبصورت ترجمانی حضرت ابوبکرؓ کا یہ واقعہ کرتا ہے، صدیق اکبر سے کسی نے "ابا" کے معنی پوچھے (جس کے معنی چارہ کے ہیں) مگر چونکہ قریش کی لغت میں یہ لفظ متعارف نہیں تھا، آپ نے فرمایا: کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا، اگر میں قرآن کے بارے میں کوئی ایسی بات

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہوں جسے میں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہے۔ (مقالہ جمال الدین اعظمی، عربی وفارسی تفسیر نویسی میں ہندوستانی مسلمانوں کا حصہ، مرتبہ: عماد الحسن آزاد فاروقی، ہندوستان میں اسلامی علوم وادبیات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۸۶ء ص ۴۲)

عہد صحابہؓ میں مفسر کے لئے عربی زبان رد کیے گئے رسوم و عادات، قرآن سے متعلق عہد نبوی کے واقعات، رسول اللہ کے اقوال، اعمال اور قضایا وغیرہ میں کمال رکھنا ضروری تھا، تمام صحابہ فہم قرآن میں برابر نہ تھے بلکہ بعض کو بعض پر تفوق حاصل تھا، صحابہ میں سے دس حضرات (خلفاء اربعہ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو موسی اشعریؓ، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو تفسیر بیان کرنے مین مہارت حاصل تھی، سب سے زیادہ تفسیری اقوال رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (جن کا لقب ترجمان القرآن ہے) سے مروی ہے۔ (پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسرین، تاج کمپنی، دہلی، ص ۴)

عہد نبوی اور عصر صحابہ کی تفسیری خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(۱) اس دور میں قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھی نہیں گئی۔

(۲) قرآن مجید کی ان آیات کی تفسیر بیان کی گئی جن کے سمجھنے میں کچھ دشواری پیش آتی تھی یا ان میں اجمال پایا جاتا تھا۔

(۳) صحابہ کرام میں قرآن مجید کے معنی ومطالب کے سمجھنے میں بہت کم اختلاف پایا جاتا تھا۔

(۴) صحابہ کرام قرآن مجید کے اجمالی معنی پر اکتفا کرتے تھے اور تفصیلات میں جانا ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔

(۵) صحابہ کرام کم سے کم الفاظ میں لغوی معنی کی تشریح کو نا کافی سمجھتے تھے۔

(۶) عہد صحابہ میں تفسیر کی کوئی جداگانہ منظم صورت نہ تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وسلم سے منقول آیات کی تشریح وتوضیح احادیث نبوی کے زمرہ میں ہی شامل تھیں۔ (جمیل نقوی، اردو تفاسیر، کتابیات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲، ص ۱۲، ۱۳)

حیات صحابہ میں ہی ان کے شاگردوں کے ذریعہ ان کے تفسیری بیانات بھی ضبط تحریر میں آگئے تھے، چنانچہ تفسیر کے لیے پہلے قرآن پھر حدیث وسنت اور پھر آثار واقوال صحابہ سے مدد لی جاتی تھی، عصر تابعین میں امام ابن تیمیہؒ کے قول کے مطابق تفسیر کا علم زیادہ تر علمائے مکہ میں تھا جو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد تھے، مثلاً عکرمہؒ، مجاہد اور عطاؒ پھر اہل کوفہ میں جو حضرات ابن مسعودؓ کے اصحاب تھے، جیسے: بصری اور مسروق وغیرہ، ان کے علاوہ سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ضحاک اور قتادہ کو علم تفسیر میں ملکہ حاصل تھا۔ (مولانا اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۹، ص ۴۱)

تابع تابعین کا دور جو تقریباً دوسری صدی ہجری کے خاتمہ تک جاری رہا، میں تفسیر کی کتابیں مدون کی گئیں اور علم تفسیر ایک علیحدہ فن کی شکل میں سامنے آیا، مگر اس ضمن میں اختلاف ہے کہ کون سی تفسیر کو مقام اولیت حاصل ہے، جیسے: تفسیر ابن جریج، تفسیر سفیان بن عیینہ، تفسیر وکیع بن الجراح، تفسیر شعبہ، تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ، مگر یہ سب مٹ چکی ہیں۔ (ایضاً، ص ۴۳)

میزان الاعتدال ذہبی کے مطابق سب سے پہلے عہد تابعین میں علم تفسیر ایک الگ فن کی شکل میں سعید بن جبیر (م ۹۵ھ) کے ذریعے سامنے آیا، جب عبدالملک بن مروان (م ۸۶ھ) نے ان سے تفسیر لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ انھوں نے تفسیر لکھ کر دربار خلافت میں بھیج دی، عطا بن دینار کے نام جو تفسیر مشہور ہے وہ حقیقت میں یہی تفسیر ہے۔ (پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر ومفسر، تاج کمپنی دہلی، ص ۴)

دور تابعین پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے ہمیں تفسیری ارتقا میں کچھ مخصوص رجحانات ومیلانات نظر آتے ہیں، مثلاً اس دور میں عہد صحابہ کے مقابلے اختلافات کی خلیج گہری ہوگئی اور مذہبی اختلافات کی بنیاد پڑی، جیسے: عقیدہ وتقدیر کے حامیوں ومنکروں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نے اپنے اپنے نظریات کی اپنی تفسیروں میں نمائندگی شروع کردی وغیرہ۔ دور تابعین میں وہی منقولی طریقہ رائج رہا مگر اس میں تبدیلی واقع ہوئی کہ ہر شہر کے رہنے والے اپنے شہر کے امام و عالم کے اقوال سے ہی اپنی تفسیر میں استفادہ کرتے، جیسے: اہل مکہ حضرت ابن عباسؓ سے، اہل مدینہ حضرت ابی بن کعبؓ اور عراقی حضرت ابن مسعودؓ سے۔

اس کے علاوہ اس عہد کی سب سے اہم خصوصیات یہ بھی رہی کہ تفسیر میں بغیر نقد وتبصرہ اسرائیلیات کی ملاوٹ شروع ہوگئی جو ان اہل کتاب سے اخذ کی جاتیں جو مسلمان ہوگئے تھے، دراصل اسرائیلیات کی طرف عربوں کا میلان عہد رسالت ہی سے شروع ہوگیا تھا جب یہودی عالم حضرت عبداللہ بن سلامؓ، مشرف بہ اسلام ہوئے، نیز حضور کا ارشاد گرامی بھی تھا کہ ”اہل کتاب کے اقوال کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، درحقیقت اسرائیلیات کو مرغوب سمجھ کر قبول کرنے میں عربوں کے مزاج کا بڑا دخل تھا، جسے علامہ ابن خلدون نے اس طرح بیان کیا ہے:

”بالعموم عرب نہ پہلے سے اہل کتاب تھے نہ علم رکھتے تھے، ان کے اوپر بدویت غالب تھی، جب ان کو موجودات کے اسباب، ابتدائے تخلیق اور امم سابقہ کے حالات وغیرہ کے جاننے کا شوق ہوتا تو ان اہل کتاب سے جو مسلمان ہوگئے تھے دریافت کرتے یہ بھی زیادہ تر انہیں کی طرح بدوی تھے اور ان امور کو اسی قدر جانتے تھے، جس قدر عوام اہل کتاب، انہیں کے بیانات لوگوں سے منقول ہوکر آیات کی تفسیروں میں شامل ہوگئے اور لوگوں سے منقول ہوکر آیات کی تفسیروں میں شامل ہوگئے بوجہ اس کے کہ ان کا تعلق احکام شرعیہ سے نہ تھا، تدوین کے وقت مفسروں نے مسامحت سے کام لے کر ان کی تنقید کی طرف توجہ نہیں کی اور انہیں کو کتب تفاسیر میں درج کردیا“۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۶۷، بحوالہ اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، ص ۱۹)

تیسری صدی ہجری میں تدوین کتب کا عام رواج ہوگیا، اسی دور میں صحاح ستہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لکھی گئی جس میں ایک باب ''کتاب التفسیر'' ہوتا تھا، جو تفسیری روایات پر مشتمل ہوتا تھا، البتہ اس مقام پر پہنچ کر علم تفسیر، احادیث سے علیحدہ ایک فن کی شکل میں ابھر کر سامنے آیا اور قرآنی ترتیب کے مطابق ایک ایک آیت اور سورت کی تفسیر لکھی جانے لگی۔

تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی ہجری میں مکمل قرآن کی تفسیریں لکھی جانے لگیں، تفسیر ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، تفسیر ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ)، تفسیر ابن حیان (م ۳۶۹ھ) اس دور کی اہم تفاسیر ہین جن میں سے ابن جریر طبری کی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' کو آج تک مقام اولیت حاصل رہا ہے، قرآن کی تشریح کے سلسلے میں انھوں نے اس وقت دستیاب تمام روایات کو جمع کر دیا ہے اور ان پر جرح وتعدیل کا کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیا ہے، گرچہ بعض اقوال کو کہیں کہیں راجح اور بعض کو مرجوح بھی قرار دیا ہے، اس دور کی تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفسیر بالماثور کی حدود میں رہتے ہوئے قرآن، حدیث، اقوال صحابہ وتابعین ہی کی روشنی میں لکھی گئی مگر ان میں ایک تبدیلی یہ آئی کہ پہلے کی طرح اسناد کی شرط باقی نہ رہی، نتیجۃً بلا سند تفسیری اقوال نقل کرنے سے بہت سے من گھڑت باتیں تفسیر میں شامل ہوگئیں اور ان میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔

خلافت عباسیہ سے لے کر آج تک تفسیر کا جو دور رائج ہے اس میں روایت کے ساتھ درایت کا بھی استعمال ہونے لگا اور نقل وعقل میں رفتہ رفتہ آمیزش کی ابتدا ہوئی، لہٰذا منقولی کے علاوہ معقولی تفاسیر بھی وجود میں آئیں، اس دور کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت کے پس منظر کو دھیان میں رکھا جائے، جب فلسفے کو فروغ ملا خصوصاً منطق وفلسفے کی کتابوں کا حکومت کی سرپرستی میں یونانی سے عربی ترجمہ ہوا جن کے اثرات سے مختلف عقائد ونظریات ابھرے اور نئے نئے فرقے وجود میں آئے، علم کلام نیز مختلف مکاتب فکر حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور جعفری وغیرہ کا ظہور ہوا اور یہ کہ صرف ونحو اور عربیت سے متعلق علوم کی تدوین کی گئی، قرآن کے مختلف پہلوؤں جیسے ادبی، فقہی، لغوی، نحوی، تاریخی اور کلامی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وغیرہ پر الگ الگ تصانیف قلم بند ہوئیں، خلاصہ یہ کہ نقل پر عمل کا غلبہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہا اور ہر گروہ اپنی عقل کو ہی معیار اور کسوٹی سمجھتا رہا، لہذا مباحث کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔

ایسے ماحول کے اثر کا سنیت کو فروغ حاصل ہوا اور جو شخص جس فن میں ماہر ہوتا وہ قرآن کو اپنے فن کے قالب میں ڈھالنے کی پوری کوشش کرتا، مثلاً نحوی علماء کی تفاسیر (تفسیر زجاج، البسیط از واحدی، البحر المحیط از ابوحیان) نحوی مسائل سے پر ہیں، امام رازی کی تفسیر ''مفتاح الغریب المعروف تفسیر کبیر''، حکماء و فلاسفر کے اقوال سے بھری ہوئی ہے۔ فقہاء کی تفاسیر (جصاص، قرطبی) فقہی فروعات کے ذکر سے مالا مال ہیں، صوفیاء (ابن عربی، ابوعبدالرحمٰن السلمی) کی تفسیر میں آیات الٰہی سے صوفیانہ اشارات نکالے گئے ہیں، مبتدعین میں زمخشری کی الکشف، شیعہ اثناعشریہ میں طبرسی اور ملا محسن کاشی، مؤرخین کی تفسیر (ثعلبی اور ابن کثیر) سے ایسا لگتا ہے کہ قرآن صرف ایک تاریخی کتاب ہے وغیرہ وغیرہ (پروفیسر غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر مفسرین، تاج کمپنی دہلی، ص ۵، ۷)

مختصر یہ کہ اس وقت سے لے کر آج تک ہر زمانہ کی تفسیر اپنے وقت کی تحریکوں سے متاثر اور مخصوص نظریات کا آئینہ معلوم ہوتی ہے، اگرچہ اس کا فائدہ یہ پہنچا کہ علم تفسیر میں وسعت پیدا ہوئی مگر من مانی تاویلات کا دروازہ کھل گیا اور قرآن میں معنوی تحریف کی جانے لگی جس کی علامہ فناری نے یہ تصریح کی ہے کہ ''علم تفسیر میں بجز چند امور کے اصول مطلقاً نہیں ہیں جن پر اس کی جزئیات کا مدار ہو۔ (مرآۃ التفسیر، ص ۷، اسلم جیراجپوری، ہمارے دینی علوم، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء ص ۲۸)

ہندوستان میں تفسیر کا آغاز:

ظہور اسلام سے قبل ہندوستان اور عرب کے تجارتی تعلقات قائم تھے، عہد

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

رسالت میں ہی مسلمان جنوبی ہندوستان میں پہنچ گئے تھے، (حضرت تمیم صحابی کا مزار کولم علاقہ مدراس میں ہے اور یہیں ایک قبر پر کتبہ لگا ہے جس پر اسماعیل بن دینار (م ۱۰۹ھ) لکھا ہے، مالک بن دینار ۷۰ھ کے مشہور تابعی مفسر ہیں، اسماعیل ان کے بیٹے تابعی یا تبع تابعی ہیں۔ (بحوالہ عبدالصمد صارم الازہری، تاریخ التفسیر، مکتبہ معین الادب، لاہور، ۱۹۸۲، ص/۲۰) اور جلد ہی مسلم فاتحین بھی شمالی ہند پر قابض ہو گئے، بنوامیہ کے دور میں اسلامی حکومت کا باقاعدہ ایک صوبہ بن گیا تھا، استحکام حکومت کے بعد نومسلموں کی تعداد یہاں بہت تیزی سے بڑھی، نیز عرب، ایران، ترکستان، اور افغانستان سے مسلمان یہاں آکر آباد ہو گئے، اس لیے مذہبی ضرورت کے سبب دوسرے علوم کے علاوہ علم تفسیر پر بھی بکثرت کتب تحریر ہوئیں، چونکہ عربی مسلمانوں کے درمیان بین الاقوامی رابطہ کی زبان تھی اور اس کو مذہبی اہمیت کے سبب عزت کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا تھا، اس لیے ابتداء میں تفسیریں عربی زبان اور پھر فارسی جو کہ مسلمانوں کی سرکاری زبان تھی میں لکھی گئیں

ڈاکٹر محمد سالم قدوائی نے مختلف تذکروں اور تاریخ کتابوں کی چھان بین کے بعد عربی زبان میں ہندوستان میں لکھی گئی تفسیروں اور علوم قرآن سے متعلق کتابوں کی تعداد ۱۵۶ بیان کی ہے۔ (محمد سالم قدوائی، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ، ۱۹۹۱، ص ۱۵)

ہندوستان میں پہلی عربی تفسیر کس نے لکھی ہے یہ بات کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا، دائرہ معارف الاسلامیہ (اردو انسائیکلو پیڈیا) کے مطابق عربی کی سب سے پہلی تفسیر ''غرابت القرآن ورغائب الفرقان'' از مولانا نظام الدین حسنی بن محمد بن حسین شافعی ہے، اس تفسیر کو دولت آباد (دکن) میں مکمل کیا گیا، اس کی جلد اول وسوم ۷۳۰ھ/ ۱۳۳۰ء اور جلد دوم ۱۱ محرم ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۷ء میں لکھی گئی۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۶۲، جلد ۶، ص ۵۳۱)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جب کہ بعض حوالوں سے ابوبکر اسحاق بن تاج الدین ابوالحسن (م ۳۶ ۷ھ) کی تفسیر "جواہر القرآن" کی اولیت پتہ چلتی ہے جس کا خلاصہ بھی آپ نے "جواہر القرآن فی معنی فی القرآن" کے نام سے تحریر کیا ہے جو برلن کی لائبریری میں موجود ہے۔ (جمیل نقوی اردو تفاسیر، کتابیات، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، فروری ۱۹۹۴ء، ص ۱۵) ان کے علاوہ ابتدائی تفاسیر میں کاشف الحقائق وقاموس الدقائق از محمد ابن احمد گجراتی (۸۲۱ھ)، تفسیر ملتقط از سید محمد گیسودراز (۸۲۸ھ) تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنان، از علی بن احمد مہائمی (۸۳۵ء) وغیرہ ملتی ہیں۔

علماء کا فتوی ہے کہ قرآن کا ترجمہ وتفسیر ان لوگوں کے خاطر کرنا جو عربی زبان سے ناواقف ہوں اس آیت "وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه" (ابراہیم ۴) "ہم نے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں" کی رو سے جائز ہے۔ (محمد سعود عالم، شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی فکر کا مطالعہ، اسلامک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲)

اسی لیے جب مقامی زبانوں میں تفسیر نگاری کی ابتدا ہوئی تو ہندوستان میں ہندی زبان میں جو بعد میں اردو کہلائی قرآنی ترجمہ وتفسیر کو بہت تیزی سے فروغ حاصل ہوا، اگرچہ اردو زبان ہندوستانی زبانوں کے مقابلے سب سے کمسن اور دیگر بین الاقوامی زبانوں کے درمیان بھی کم عمر ہے مگر چینی زبان کے بعد دنیا کی سب سے بڑی زبان ہے، اس میں ۵۷ فیصد الفاظ قرآنی اپنے اصلی تلفظ اور معانی مقررہ کے ساتھ جوں کے توں استعمال کیے جاتے ہیں، اردو زبان میں علوم قرآنی سے متعلق کتب کی تعداد غالباً ایک ہزار سے زائد ہے جن میں سے مکمل وجزوی تراجم وتفاسیر ساڑھے چار سو ہیں۔ (ڈاکٹر محمد سالم قدوائی، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء، ادارہ علوم اسلامیہ، علی گڈھ، ص ۳۵، ۳۶)

مسلمان ہند میں اپنے ساتھ عربی وفارسی زبان لائے اور اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے ہندوستانی مقامی بولیاں استعمال کیں، مشہور سیاح بزرگ بن شہریار نے اپنے سفرنامہ "عجایب الہند" میں لکھا ہے کہ کشمیر کے راجہ مہروک بن رائق تاجدار "الرا" کی فرمائش پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

۲۷۰ھ/۸۳۸ء میں منصورہ کے امیر عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز نے کسی عراقی الاصل سندھی عالم جس کی پرورش ہندوستان میں ہوئی تھی اور جو یہاں کی مختلف زبانوں کو جانتا تھا سے ہندی زبان میں قرآن کی تفسیر لکھوائی جو سورۂ یٰسین تک ہی لکھی گئی تھی، بزرگ بن شہر، کتاب العجائب الہند، ص ۳، بحوالہ دائرۃ المعارف اسلامیہ، ص ۵۴)

چودھویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں اردو نثر کا آغاز دینی کتابوں سے ہوا، خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی (م ۱۴۰۵) کا رسالہ "اخلاق وتصوف" ۱۳۰۸ کی پہلی باقاعدہ تصنیف کہلاتی ہے، گرچہ اردو زبان میں تراجم وتفاسیر قرآنی کی ابتدا سولہویں صدی عیسوی کی آخری دہائی (دسویں صدی ہجری) سے شروع ہوتی ہے جو کچھ سورتوں یا پاروں پر مشتمل ہیں، دراصل دسویں وگیارہویں صدی ہجری میں تراجم پر تفسیری حاشیے چڑھا کر ان کو تفسیر کہا گیا جو مختلف مخطوطوں کی شکل میں مختلف لائبریریوں میں آج بھی موجود ہیں، یہ زیادہ تر دکن میں لکھے گئے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر مصنفین کے نام بھی معلوم نہیں ہوئے، ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب "اردوئے قدیم" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ (جمیل نقوی اردو تفاسیر، کتابیات مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳، ۲۴)

قرآن کا پہلا ترجمہ آج سے تقریباً چار سو برس پہلے ہندوستانی زبان "باکھا" میں کیا گیا جو اب ناپید ہے، مشہور بزرگ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے ایک روز عصر کے وقت اپنے خلیفہ مولانا محمد علی مونگیری کو بلا کر فرمایا: "مولوی عبدالقادر صاحب کے ترجمے (۱۷۹۰) سے دو سو برس پیشتر "باکھا" میں بہت عمدہ ترجمہ قرآن شریف کا ہوا جسے ہم نے دیکھا ہے۔ (محمد علی مونگیری، ارشاد رحمانی وفضل یزدانی، بحوالہ مولانا نظر علی خاں، قرآنی معارف، ص ۱۷۸)

ابتدائی تراجم میں قاضی محمد معظم سنبھلی کا ترجمہ جو انھوں نے ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء میں لکھا تھا طبع نہ ہوسکا مگر خطی نسخہ موجود ہے، کو پہلا اردو ترجمہ کہہ سکتے ہیں جو خالص اردو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں نہیں بلکہ عربی وفارسی کے میل جول سے پیدا ہونے والی زبان میں تھا۔ (سپارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر، ج ۲/ص ۸۵۸، بحوالہ ڈاکٹر احمد خاں، قرآن کریم کے اردو تراجم، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، دسمبر ۱۹۸۷، ص ۹۱۲

بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں شمالی ہند میں پہلی مرتبہ باقاعدہ تفسیر نگاری کی بنیاد پڑی جب شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی کی پارہ عم کی تفسیر "خدائی نعمت" معروف بہ تفسیر مرادی، جو ۲۴ محرم بروز جمعہ ۱۱۸۵/۱۸۴ھ میں مکمل ہوئی، یہ تفسیر پہلی مرتبہ ۱۲۴۷ھ میں ہوگلی میں طبع ہوئی مگر وہابی لٹریچر سمجھ کر حکومت بنگال نے اسے ضبط کرلیا، پھر دوسری مرتبہ ۱۲۶۰ھ اور پھر تیسری مرتبہ ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی۔ (محمد سالم قدوائی، علوم اسلامیہ اور ہندوستانی علماء، ادارہ علوم اسلامیہ علی گڈھ، ۱۹۹۱، ص ۳۶)

تفسیر مرادی کے بیس سال بعد ۱۷۹۰ء/۱۲۰۵ھ میں شاہ ولی اللہ دہلوی کا ترجمہ وحواشی "مواضح قرآن" وجود میں آیا جو اردو زبان میں پہلی مکمل تفسیر ہے اس طرح تیرہویں صدی ہجری سے ہندوستان میں اردو تراجم وتفاسیر کا ایک شاندار عہد شروع ہوتا ہے جو آج تک جاری ہے۔

الفوز الکبیر اور اس کے مصنف کا مختصر تعارف

پاک وہند اور بنگلہ دیش کے تمام مدارسِ عربیہ میں اصول تفسیر کی اہم ترین کتاب "الفوز الکبیر" داخل نصاب ہے، اور بڑے اہتمام کے ساتھ یہ کتاب پڑھائی جاتی ہے، اس لیے مختصر طور پر اس کتاب اور اس کے جلیل القدر مصنف کا بھی تعارف پیشِ خدمت ہے۔

الفوز الکبیر:

"الفوز الکبیر" فن اصول تفسیر میں بہت ہی اہمیت کی حامل کتاب ہے، جس میں قرآن فہمی کے اصول وقواعد نہایت مختصر ہیں، مگر مفید اور اہم کتاب ہے، جس میں قرآن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کریم کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول وقواعد نہایت ربط وضوابط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، اگر کوئی طالب علم اچھی طرح ان اصول وقواعد کو یاد کرلے تو قرآن کریم کے سمجھنے کی ایسی صلاحیت اور استعداد پیدا ہوسکتی ہے جو عمر بھر کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے اور پوری زندگی مفسرین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے بعد بھی پیدا نہیں ہوسکتی ہے۔

آزادی کے علمبردار حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ فرماتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن کے مطالب اور مضامین کو مذکورہ بالا پانچ ابواب میں تقسیم کرکے دنیائے اسلام پر رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

ہم نے امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ کی تفسیر پڑھی، نیز جار اللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ کی تفسیر کا مطالعہ کیا، اس کے علاوہ معالم التنزیل از ابو محمد حسین بن مسعود فرّاء بغوی متوفی ۵۱۰ھ اور تفسیر حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن عمر المعروف بہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ بھی پڑھی، ان سب تفسیروں کے ذریعے ہم نے قرآن کو سمجھنے کی اپنی استطاعت کے مطابق پوری کوشش کی لیکن سوائے تحیر کے ہمیں کچھ نصیب نہ ہوا، اگر زمانہ طالب علمی میں ہم نجم الأئمہ (۱) حضرت شیخ الہند قدس سرہ سے چند آیتوں کی تفسیر جو کتابوں میں نہیں ملتی، نہ سنی ہوتی اور ہمارے لیے وہ اطمینان کا ذریعہ نہ بنتی اور شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بعض تفسیری جملے ہم نہ پڑھے ہوتے، تو قدماء کی ان تفسیروں کو ہم علم تفسیر کے حصول سے قطعاً مایوس ہوجاتے، بیشک ہم اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمان انہیں کتابوں کی مدد سے قرآن سمجھتے تھے، اور انہیں اصول و قواعد کے ذریعہ

حاشیہ (۱) ایک زمانہ ہوا میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ امام مالکؒ سندھ کے مدرسہ دار الرشاد کے ایک کمرہ میں تشریف لائے ہیں اس کے بعد حضرت شیخ الہند آئے اور اسی کمرے میں اترے، اس دن سے میں شیخ الہند کو امام مالکؒ سے تشبیہ دیتا ہوں اور ان کو نجم الائمہ کے لقب سے یاد کرتا ہوں، امام شافعی فرماتے ہیں: جب علماء کا ذکر ہو تو امام مالک کی حیثیت ان میں نجم کی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قرآن پر حکومت اپنے اجتہاد کے مطابق قائم کی تھی، لیکن جہاں تک اس زمانے کا تعلق ہے ہماری اس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ناممکن ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ تفسیر قرآن کے مطالعہ کے سلسلے میں ایک دفعہ میں نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اصول تفسیر پر کچھ کتابیں مانگی تھیں، آپ نے مجھے حافظ جلال الدین السیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی "الاتقان فی علوم القرآن" مرحمت فرمائی، میں نے بڑی توجہ اور پوری کوشش سے ساری کتاب بار بار پڑھی، لیکن مجھے اس میں سوائے چند اوراق کے اور کوئی دلچسپ چیز نظر نہ آئی، جسے علم تفسیر میں اصول کا ذریعہ دیا جا سکتا یہ اس زمانے کا ذکر ہے کہ میں اصول فقہ پڑھ کر اور اس سے فارغ ہو کر اس موضوع پر ایک مستقل کتاب (۱) لکھ چکا تھا، انہی دنوں میں حضرت مولانا نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اصول تفسیر کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی ایک رسالہ "الفوز الکبیر" کے نام سے ہے۔

بے محل نہ ہوگا اگر میں یہاں شاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف اور ان کے افادات کے بارے میں مولانا شیخ الہند قدس سرہ کی ایک عادت مبارک کا ضمناً ذکر کر دوں، حضرت جانتے تھے کہ امام فخر الدین رازی اور علامہ تفتازانی مسعود بن عمر متوفی (۲) ۷۹۱ھ کو طلبہ میں عام طور پر بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ان نامور حضرات کے مقابلے میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے طلباء تیار نہیں ہوں گے، چنانچہ حضرت شیخ الہند کو اگر کسی مسئلہ میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تردید یا تغلیط مقصود ہوتی تو ان کی

حاشیہ (۱) کتاب التمہید فی ائمۃ التجدید (مولانا کی غیر مطبوعہ کتاب کا مسودہ) میں ہے کہ ۱۳۰۷ھ کا واقعہ ہے کہ میں نے "مراصد الوصول الی مقاصد الاصول" کے نام سے ایک کتاب لکھی اس میں میں نے "مسلم الثبوت" کی تلخیص کی تھی، اور اس کے ساتھ تحریر ابن الہمام، شرح المختصر للعضد و شرح المسلم للشیخ نظام الدین لکھنوی و شرح بحر العلوم سے حسب پسند کچھ چیزوں کا اضافہ کر دیا تھا، کتاب لکھ کر میں حضرت شیخ الہند کی خدمت میں پیش کی حضرت نے اسے بہت پسند فرمایا، اور کئی بار مجھے اپنے لباس خاص سے سرفراز کیا۔ (۲) علامہ تفتازانی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ بات پیش کرنے کے بعد مبہم طور پر فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلہ میں یوں ہے طلبہ سمجھتے کہ یہ محققین ان نامور حضرات سے بھی کوئی بڑی ہستیاں ہوں گی، خود میرا اپنا یہ حال تھا کہ ایک لمبے عرصے کے بعد میں سمجھ سکا کہ محققین سے حضرت شیخ الہند کی مراد شیخ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی اور ان کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام ہیں جن کا سلسلہ شاہ ولی اللہ صاحب پر ختم ہوتا ہے۔

یہ بات تھی جس بناء پر آپ نے مجھے شروع میں اصول تفسیر کے مطالع کے سلسلہ میں ''الفوز الکبیر'' عطا نہ فرمائی تھی، بلکہ اس کا صرف ذکر کر دینا ہی کافی سمجھا تھا، مدرسۂ دیوبند سے فارغ ہو کر جب میں سندھ پہنچا تو مجھے ''الفوز الکبیر'' کا نسخہ ملا، اس سے پہلے میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا، ''الفوز الکبیر'' میرے ہاتھ آئی اور

بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ: کے نام اور ان کے فقہی مذہب کے بارے میں اختلاف ہے ابن العماد لکھتے ہیں کہ السیوطی نے ''طبقات النحاۃ'' میں ان کا نام مسعود بتایا ہے اور یہی نام مشہور بھی ہے، لیکن ابن حجر نے ''الدرر الکامنۃ'' اور ''ابناء الغمر'' میں مسعود کے بجائے محمود لکھا ہے۔

(مولانا کی غیر مطبوعہ کتاب) التمہید میں ہے شیخ عجیمی کہتے ہیں کہ علامہ تفتازانی کو شافعی بتایا جاتا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ حنفی تھے، کیونکہ انہوں نے اصول فقہ حنفی میں کتابیں لکھی ہیں اور نیز ''المنہل الصافی المستوفی بعد الوافی'' میں علاء الدین محمد بن البخاری کو حنفی بتایا گیا ہے اور ان کے حال میں لکھا گیا ہے کہ موصوف اپنے باپ، چچا اور تفتازانی سے فقہ پڑھی، عجیمی کہتے ہیں کہ علاء الدین بخاری حنفی کا تفتازانی شافعی سے فقہ پڑھنا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ تفتازانی شافعی نہیں، حنفی تھے، السید احمد الطحطاوی ''الدر المختار'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ تفتازانی حنفی تھے، جیسا کہ ''شرح المنار'' کے دیباچہ میں صاحب البحر نے لکھا ہے تفتازانی اپنے وقت میں حنفی علماء کے سردار شمار ہوتے تھے، اور انہیں حنفی قاضی کا منصب بھی سپرد کیا گیا تھا، ''الہدایہ'' کی جو شرح سرد جی کی ہے اس کا تکملہ تفتازانی نے لکھا ہے، اس کے علاوہ ''فتاوی الحنفیہ'' شرح تلخیص الجامع الکبیر اور تلویح حاشیہ التلویح نام کی ان کی تصانیف ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں نے اس کی پہلی فصل کو ختم کیا تو مجھے اطمینان ہوگیا کہ خدا نے چاہا تو علم تفسیر مجھے آ سکتا ہے چنانچہ اس دن کے بعد آج کا دن ہے کہ مجھے قرآن حکیم سمجھنے کے سلسلے میں کبھی شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۴۷ تا ۵۰: حضرت مولانا عبید اللہ سندھی، سندھ ساگر اکادمی لاہور)

بہر حال الفوز الکبیر اصولِ تفسیر کی بہت ہی مختصر، جامع، آسان فہم اور مفید ترین کتاب ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بخوبی ظاہر ہوگیا، اس کتاب کو حضرت شاہ صاحب نے پانچ ابواب پر مرتب فرمایا ہے، چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خود تحریر فرمایا ہے:

ومقاصده هذه الرسالة منحصرة في خمسة أبواب: الباب الاول في بيان العلوم الخمسة التي يدل عليها القرآن الكريم نصاً وكأن نزول القرآن بالأصالة كان لهذا الغرض. الباب الثاني في بيان وجوه الخفاء في معاني نظم القرآن بالنسبة إلى أهل هذا العصر، وإزالة ذلك الخفاء بأوضح بيان. الباب الثالث في بيان لطائف نظم القرآن وشرح أسلوب البديع بقدر الطاقة والإمكان. الباب الرابع في بيان مناهج التفسير وتوضيح الإختلاف الواقع في تفاسير الصحابة والتابعين. الباب الخامس في ذكر جملة صالحة من شرح غريب القرآن وأسباب النزول التي يجب حفظها على المفسر ويمتنع ويحرم الخوض في كتاب الله بدونها.

یعنی یہ رسالہ پانچ بابوں میں منحصر ہے، پہلا باب ان پانچ علوم کے بیان میں جن پر قرآن کریم صراحتاً دلالت کرتا ہے، گویا قرآن مجید کا نزول دراصل اسی مقصد کے لیے ہوا ہے، دوسرا باب اس زمانہ کے لوگوں کو دیکھتے ہوئے نظم قرآن کے معانی میں اسباب خفا کا بیان ہے اور واضح تشریح کے ساتھ اس خفا کو زائل کیا گیا ہے، تیسرے باب میں نظم قرآن

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے لطائف کو بیان کیا گیا ہے اور حتی الامکان والمقدور اس کے انوکھے اسلوب کی شرح کا بیان ہے، چوتھا باب تفسیر کے طریقوں کے بیان میں ہے اور اس اختلاف کی تشریح میں ہے جو صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی تفسیروں میں واقع ہے اور پانچواں باب قرآن مجید کے غریب الفاظ کی شرح کی وافر مقدار اور اسباب نزول کے بیان میں ہے جس کو یاد رکھنا مفسر کے لیے ضروری ہے اور اس کے بغیر کتاب اللہ میں غور وخوض کرنا ممنوع اور حرام ہے۔

مصنف علام نے پانچویں باب کو مستقل رسالہ کی حیثیت دے کر اس کا نام "فتح الخبير بما لابد من حفظه في علم التفسير" رکھا، خود شاہ صاحب نے اس کتاب کے دوسرے باب کی پہلی فصل کے بالکل آخر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وأرى من المناسب أن أجمع في الباب الخامس من هذه الرسالة جملة صالحة من شحر غريب القرآن مع بيان أسباب النزول واجعلها رسالة مستقلة فمن شاء ضمها إلى هذه الرسالة ومن شاء أفردها عليحدة. وللناس فيما يعشقون مذاهب.

اس لیے چونکہ یہ پانچواں باب غرائب قرآن کی شرح اور اسباب نزول کے موضوع پر مشتمل ہے اور دورۂ حدیث کے طلبا تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں پڑھ چکے ہوتے ہیں، اس لیے ہندوستانی نسخہ میں یہ پانچواں باب طابعین شامل نہیں کرتے ہیں، بلکہ اس کو الگ سے شائع کرتے ہیں، پھر بھی احقر کی ناقص رائے یہی ہے، طلباء واساتذہ اس باب کو بھی معرضِ التواء میں نہ ڈالتے ہوئے حرز جان بنائیں جو ان شاء اللہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا، اللہ تعالی ہم جیسے ناقص فہم اور علم وعمل سے تہی دامن کو علم وعمل کا خوگر بنائے۔ آمین یارب العالمین!

شاہ ولی اللہؒ کی ولادت اور نام ونسب:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آپ کی ولادت باسعادت ضلع مظفر نگر یو پی کے ایک قصبہ پھلت میں بدھ کے دن ۴/شوال المکرّم ۱۱۱۴ھ میں ہوئی، آپ کا اسم گرامی ''احمد'' ہے، اور والد محترم کا نام ''عبدالرحیم'' ہے، اور والدہ ماجدہ کا نام ''فخر النساء'' ہے، جو شیخ محمد صاحب پھلتی کی صاحب زادی تھیں۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کا نام ''ولی اللہ'' رکھا، بعد میں یاد آیا کہ ولادت سے قبل شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے خواب میں آکر مجھے مژدہ سنایا تھا کہ تمہارے گھر میں ایک ہونہار لڑکے کی ولادت ہونے والی ہے اس کا نام میرے نام پر رکھنا، ولادت کے بعد آپ کے والد ماجد اس وصیت کو بھول گئے، اور ولی اللہ نام رکھا، کچھ دنوں کے بعد جب یہ وصیت یاد آئی تو قطب الدین احمد نام رکھا، اس کے باوجود آپ کی شہرت ''ولی اللہ'' کے نام سے ہوئی اور ''قطب الدین'' آپ کا لقب قرار پایا۔

آپ کا سلسلہ نسب والد بزرگوار کی طرف حضرت عمر فاروقؓ تک ملتا ہے، اسی لیے آپ کو عمری اور فاروقی کہا جاتا ہے، اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم سے ملتا ہے، آپ نے رسالہ "إمداد في مآثر الأجداد" میں اس طرح نسب نامہ بیان کیا ہے:

''سلسلۂ نسب ایں فقیر با میر المومنین عمر بن الخطاب میرسد، بایں طریق ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود ابن قوام الدین بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن محمد عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان ابن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب''۔

تعلیم وتربیت:

پانچ سال کی عمر میں آپ نے تعلیم کی ابتدا کی اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حفظ یاد کرلیا، اس کے بعد عربی و فارسی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم حاصل کی اور دسویں سال کو پہنچتے پہنچتے فن نحو کی مشہور کتاب شرح جامی ختم کرلی، اس کے بعد اپنے والد محترم سے فقہ، حدیث اور صرف کا درس لیا، پندرہ سال کی عمر میں تمام ابتدائی اور درسی علوم سے فارغ ہوکر والد محترم ہی کے ہاتھوں پر بیعت کرلی، اور والدِ محترم نے آپ کو خلعتِ خلافت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ کے درس وتدریس کی بھی اجازت دی۔

آپ جب سترہ سال کے ہوئے تو والدِ محترم بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں انہوں نے اس دارِ فانی سے کوچ کیا، حضرت شاہ صاحبؒ خود لکھتے ہیں کہ والد صاحب کے انتقال کے بعد بارہ سال تک طلبا کو منقولات و معقولات کا درس دیتا رہا، اس کے بعد حرمین شریفین کی حاضری کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ ۱۵/ ذی قعدہ ۱۱۴۳ھ کو آپ مکہ پہنچے اور فریضۂ حج ادا کیا، اس کے بعد مدینہ منور تشریف لے جاکر شیخ ابوطاہر مدنی سے بخاری شریف کی سماعت فرمائی، اور صحاحِ ستہ کے ساتھ ساتھ مؤطا امام مالک، مسندِ دارمی اور امام محمد کی کتاب ''کتاب الآثار'' کے اطراف پڑھ کر ان سے اجازت حاصل کی۔

اس کے بعد دوسرا حج کیا اور وفد اللہ مالکی مکی سے مؤطا امام مالک پڑھی اور شیخ تاج الدین حنفی کے حلقۂ درس میں بیٹھ کر کچھ دنوں تک بخاری شریف کا درس لیا، نیز ان سے صحاحِ ستہ اور تمام دیگر کتب حدیث کی اجازت حاصل کی۔ الغرض! حرمین شریفین مین چودہ ماہ قیام کرکے وہاں کے محدثین سے احادیث کا درس اور اجازت حاصل کرکے ۱۴/ رجب المرجب ۱۱۴۵ھ میں بروز جمع بخیر وعافیت وطن یعنی دہلی میں واپسی ہوئی، اس کے بعد پھر سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور مسلسل تیس سال تک درس وتدریس اور تصنیف وتالیف جیسے اہم فریضہ کو انجام دیتے رہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وفات حسرتِ آیات:

آپ نے اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ تعلیم و تعلّم، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، اصلاحی و تجدیدی کارناموں اور قوم و ملت اور وطن عزیز کی خدمت میں وقف کر دیا تھا، اور جب وقت موعود آ پہنچا تو اس دار فانی سے کوچ کر کے دارِ بقا کی طرف منتقل ہو گئے، چنانچہ آپ کا سانحۂ وفات بتاریخ ۲۹ رمحرم الحرام ۱۱۷۶ھ مطابق ۲۰ راگست ۱۷۶۲ء بروز سنیچر بوقت ظہر پیش آیا، دہلی کے مشہور قبرستان منہدیاں میں اپنے والد محترم کے جوار میں مدفون ہوئے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستاں اس گھر کی نگہبانی کرے

اولاد و احفاد:

حضرت شاہ صاحب کی پہلی اہلیہ کے بطن سے ایک صاحبزادے شیخ محمد اور ایک صاحبزادی بی بی امۃ العزیز تھیں اور دوسری اہلیہ کے بطن سے چار صاحبزادے تھے، ان چاروں میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز صاحب متوفی ۱۲۳۹ھ، پھر شاہ رفیع الدین صاحب متوفی ۱۲۳۳ھ، پھر شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۳۰ھ، پھر شاہ عبدالغنی صاحب۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد یہ چاروں بیٹے آپ کے جانشین بنے اور آپ کی علمی وراثت کے ذمہ دار ہوئے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے تینوں بھائیوں کی تربیت کی اور تینوں بھائی آپ کی زندگی ہی میں وفات پائے، یہ چاروں حضرات علم و فضل اور افادہ و افاضہ کی جہت سے نامور فضلائے عصر ہوئے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اخلاق وعادات:

شاہ صاحب نہایت سادہ طبیعت، منکسر المزاج، نفیس الطبع، بلند ہمت۔ فراخ حوصلہ، جفاکش، بہادر وشجاع، مستقل المزاج، ہمدرد غرباء، ریاونمود سے خالی، ظاہری نمائش وشان شوکت سے گریزاں، بڑے مہمان نواز وفیاض تھے۔ سادہ زندگی بسر کرتے، معمولی غذا پر گذراوقات فرماتے، شان بے نیازی کے اعلی مرتبہ پر فائز تھے۔

علمی وملی خدمات:

آپ کی دین اسلام کی خدمات کادائرہ بہت وسیع ہے، تقریر وتحریر، تصنیف وتالیف، درس تدریس، وعظ وتبلیغ، الغرض! ہر اعتبار سے ملت اسلامیہ، اور دین اسلام کی عظیم خدمت انجام دیں، آپ اپنی آخری عمر میں زیادہ تر تصنیف وتالیف، ہی میں وقت گزارتے تھے، چنانچہ آپ کے دست مبارک سے بہت سی تحقیقی وعلمی کتابیں معرض وجود میں آئیں، قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ، عقائد وتصوف۔ الغرض! ہر موضوع پر آپ نے گراں قدر علمی تصانیف یادگار چھوڑیں، جس سے رہتی دنیا تک لوگ بھر پور استفادہ کرتے رہیں گے، آپ کی تمام تصانیف کا احاطہ تو بہت دشوار ہے البتہ مندرجہ ذیل سطور میں آپ کی چند اہم تصانیف ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)فتح الرحمن في ترجمة القرآن (۲)الفوز الكبير في اصول التفسير (۳)المسوّى (۴)المصفىٰ (۵)تراجم البخارى (۶)الدر الثمين في مبشرات النبى الكريم (۷)حجة الله البالغة (۸)الانصاف في بيان سبب الإختلاف (۹)شفاء القلوب (۱۰)أنفاس العارفين (۱۱)ازالة الخفا عن خلافة الخلفاء (۱۲)الخير الكثير.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عظمت ومرتبت:

(۱) آپ کے خاص الخاص استاذ شیخ ابو طاہر المدنی آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: أنه يسند عني اللفظ و كنت أصحح منه المعنى. وہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے صحت معنی کا فائدہ حاصل کرتا ہوں۔

(۲) مولانا نسیم احمد فریدی لکھتے ہیں کہ بلا شک وشبہ حضرت شاہ صاحب اپنے وقت کے مجدد، حکیم الامت، امام علوم وفن، مصلح امت، اور ہمدرد انسانیت ہیں، وہ بیک وقت ایک عظیم الشان عالم دین بھی ہیں اور درویش باصفا بھی، مفسر ومحدث بھی ہیں اور مفکر ومتکلم بھی، مدرس ومعلم بھی ہیں اور مؤلف ومصنف بھی، ماہر سیاسیات بھی ہیں اور رموز آشنائے معاشیات بھی، دریائے حکمت معرفت کے غواص بھی ہیں اور اسرارِ شریعت کے محرم خاص بھی۔

(۳) مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں: أن الشيخ ولي الله قد بين طريقة الجديدة وله أسلوب خاص في تحقيق أسرار المعارف وغوامض العلوم، وأنه رباني من العلماء، ولعله لم يوجد مثله في الصوفية المحققين الذين جمعوا بين علمي الظاهر والباطن وتكلموا بعلوم جديدة إلا رجال معدودون.

حضرت شاہ ولی اللہ نے نیا طریقہ بیان کیا ہے، اسرار معارف اور حقائق علوم کی تحقیق میں ان کا خاص ڈھنگ ہے، وہ ربانی علماء میں سے ہیں، ان کے مثل محققین صوفیا میں سے جو علوم ظاہری وباطنی کے جامع ہوں اور نئے علوم کے ساتھ نئے انداز سے کلام کیا، مگر معدودے چند ہی ہیں۔

(۴) سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز فرماتے ہیں: آية من آيات الله ومعجزة لنبيه الكريم. یعنی شاہ صاحب اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں سے ایک آیت اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہیں۔

(۵) علامہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں کہ ابن تیمیہ اور رشد کے بعد بلکہ خود انہیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی، کہ پھر کوئی صاحبِ دل ودماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا، کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔

﴿سوال (۱) الفوز الکبیر﴾

(الف) تفسیر کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد علم تفسیر کا موضوع اور غرض وغایت بیان کریں (ب) اصول تفسیر کے لغوی واصطلاحی معنی، موضوع غرض وغایت لکھتے ہوئے بتایئے کہ تفسیر کی ضرورت کیوں ہے بیان کریں؟ نیز اقسام تفسیر کتنے اور کیا کیا ہیں بوضاحت تحریر کریں؟

الجواب

(الف) تفسیر کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

لفظ تفسیر "فسـر" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے ظاہر کرنا، واضح کرنا، کھول کر بیان کرنا، بعض حضرات فرماتے ہیں یہ لفظ مقلوب ہے اس کی اصل "سـفـر" ہے یعنی "س" کی جگہ "ف" اور "ف" کی جگہ "س" کر دیا گیا ہے اور سفر کے معنی کھولنے اور منکشف کرنے کے ہیں "عرب" کہتے ہیں "سفرتِ المرأۃ" (عورت چہرہ کھول کر بے نقاب ہوگئی) اسی طرح جب صبح خوب روشن ہو جاتی ہے تو بولتے ہیں "أسـفـر الـصـبـح" (صبح روشن ہوگئی)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) قرآن حکیم میں ہے "والصبح اذا اسفر" (اور قسم صبح کی جب وہ روشن ہو جائے)
امام راغب اصفہانی (۲) فرماتے ہیں: جو چیزیں اعیان و محسوسات کی قبیل سے ہیں ان کو کھولنے کے لیے "سفر" کا مادہ استعمال ہوتا ہے (۳) اور جو چیزیں غیر محسوس ہیں اور عقل وفہم سے تعلق رکھتی ہیں ان کو واضح کرنے کے لیے "فسر" کا مادہ استعمال ہوتا ہے (۴) بعض حضرات کا خیال ہے کہ "التفسیر" "التّفسِرَةُ" سے بنا ہے اور "التفسرة" طبیبوں کے ایک خاص قسم کے آلہ کا نام ہے جس سے لوگ مرض کا پتہ لگاتے ہیں، پس قرآن سے بھی اسی طرح معانی ومطالب اور مرادات ربّانیہ کا پتہ چلتا ہے، بہر حال لفظ تفسیر کا ماخذ اور اصل خواہ کوئی سا لفظ ہو اس کا معنی بیان کرنے اور واضح کرنے ہی کے بنتے ہیں۔

تفسیر کا اصطلاحی معنی: تفسیر کے مختلف اور متعدد اور اصطلاحی معنی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً مشہور مفسر علامہ ابوحیان اندلسی صاحب بحر المحیط نے تفسیر کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

هو علم يُبحثُ فيه عن كيفية النطق بالفاظ القرآن ومدلولاتها واحكامها الافرادية والتركيبية ومعانيها التى تحمل عليها حالة التركيب وتتمّات لذالک.

تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کے تلفظ کی کیفیت سے اور ان کے مدلولات ومعانی اور ان کے انفرادی اور ترکیبی احکام سے اور ان کے معانی سے جن پر بحالت ترکیب محمول کیے جاتے ہیں بحث کی جاتی ہے نیز تفسیر کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔

امام ابوحیان مذکورہ متن وعبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تفسیر کی اس تعریف میں لفظ "علم" جنس ہے (اس کے بعد کی قیود بمنزلہ فصل ہیں) اور "یُبحث

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فیہ عن کیفیۃ النطق بألفاظ القرآن" سے مراد علم قراءت ہے اور "مدلولاتھا" سے مراد الفاظ قرآن کے معانی ومطالب ہیں، اس کا مصداق علم لغت کا متن ہے جس کے بغیر الفاظ قرآن کے مدلولات اور معانی کا علم حاصل نہیں ہوسکتا اور احکامھا الافرادیۃ والترکیبیۃ علم صرف اور علم بیان وبدیع کو شامل ہے۔(یعنی مفسر کو لفظ کی دلالتِ حقیقی اور دلالت مجازی سے بھی واقف ہونا چاہیے) اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترکیب کلام اپنے ظاہر کے اعتبار سے حقیقی معنی کا تقاضا کرتی ہے لیکن وہاں ظاہری اور حقیقی معنی لینے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے اور اس وقت لفظ کے مجازی معنی مراد لینے پڑتے ہیں اور تتمات لذالک سے مراد ناسخ ومنسوخ سبب نزول اور قصص واقعات وغیرہ کا علم ہے تاکہ قرآن کا مجمل ومبہم مضمون واضح ہوسکے (الاتقان ج ۲/ص ۱۷۴)۔

علامہ زرکشی (۱) تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس سے قرآن حکیم کو سمجھا جائے اور جس سے اس کے معانی ومرادات واضح ہوں اور احکام وحکم کے استنباط کا سلیقہ آئے، اس کے لیے علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم بیان وبدیع، اصول فقہ اختلاف قراءت کا علم ضروری ہے اور ساتھ ہی اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ کا علم بھی ناگزیر ہے (الاتقان ج ۲/ص ۱۷۴، بحوالہ البرہان فی علوم القرآن)۔

علم تفسیر کی ایک تعریف یہ بھی ہے: "ھو علم" یبحث فیہ عن القرآن الکریم من حیث دلالتہ علی مراد اللہ تعالیٰ بقدر الطاقۃ البشریۃ (۲) یعنی علم تفسیر وہ ہے جس سے بقدر طاقت بشری مرادات ربانیہ پر مطلع ہوا جاتا ہے، بہرحال تفسیر کی کوئی بھی تعریف ہو ان میں تعبیر واسلوب اور اجمال وتفصیل کے فرق کے علاوہ کوئی حقیقی فرق واختلاف نہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

علم تفسیر کا موضوع اور غرض وغایت:

علم تفسیر کا موضوع: نظم قرآن کریم ہے، مگر مطلقاً نہیں، بلکہ مراد خداوندی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے۔

اور اس کی غرض: مراد خداوندی کو واضح کرنا، اور قرآن کریم کا صحیح فہم حاصل کرنا ہے۔

اور اس کی غایت: صراط مستقیم پر گامزن رہنا، اور سعادت دارین حاصل کرنا ہے، اللہ تعالی ہم سب کو قرآن کریم کا صحیح فہم عطا فرمائیں! اور صراط مستقیم کی ہدایت اور دارین کی سعادت نصیب فرمائیں! آمین یارب العالمین۔

(ب) اصول تفسیر کے لغوی واصطلاحی معنی اور موضوع وغرض وغایت:

اصول تفسیر کا تعارف: اصول؛ اصل کی جمع ہے اور "اصل" کے لغوی معنی ہیں: جڑ، بنیاد، اور عرفی معنی ہیں: قانون اور قاعدہ، اور "اصول تفسیر" کے اصطلاحی معنی ہیں: وہ قوانین وقواعد جن پر علم تفسیر کی بنیاد ہے، لہذا "علم اصول تفسیر" کی تعریف اس طرح ہوگی۔

علم اصول تفسیر: وہ علم ہے جس میں قرآن کریم کی تفسیر کے قوانین وضوابط اور مفسرین کی تفسیروں کے بارے میں مفید نکات بیان کیے جاتے ہیں۔

اور اس کا موضوع وہی جو علم تفسیر کا ہے، یعنی نظم القرآن الكريم من حيث دلالته على مراد الله تعالى.

اور اس کی غرض: تفسیر کے اصول وآداب سے باخبر ہونا ہے۔

اور اس کی غایت: قرآن کریم کا صحیح فہم حاصل کر کے اس پر عمل کرنا اور دارین کی سعادت حاصل کرنا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تفسیر کی ضرورت کیوں ہے؟

قرآن حکیم خالق کائنات کا کلام معجز نظام ہے، انسانوں کی فصاحت و بلاغت کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے اس کی فصاحت و بلاغت کا آغاز ہوتا ہے، یہ انتہائی گیرائی و گہرائی رکھنے والی حیرت انگیز جامع کتاب ہے، دنیا و آخرت کے بے شمار حقائق کو محیط ہے، یہ جملہ عناصر سعادت پر مشتمل اور اصول و قوانین پر حاوی ضابطہ حیات ہے، یہ ظاہری و باطنی علوم کا گنجینہ اور اسرار و حکم کا خزینہ ہے، یہ آفاق و انفس میں موجود قدرت کی نشانیوں کا آئینہ ہے، یہ کتاب حقیقت و مجاز استعارہ تسبیہہ اشارہ و کنایہ، اجمال و تفصیل، محکم و متشابہ علم معانی اور بیان و بدیع پر مشتمل گلہائے رنگارنگ کا گلدستہ ہے، اس میں ہر علم و فن کے ماہر کے لیے تسلی و تشفی اور دلچسپی کا سامان ہے، اس میں صاف و صریح مضامین بھی ہیں اور مختلف و متعدد و معانی کا احتمال رکھنے والے الفاظ و آیات بھی ہیں، اس میں غیبی خبریں اور پیشین گوئیاں بھی ہیں، اس کا اسلوب و اسٹائل ایسا نرالا اور منفرد ہے کہ اس کی نثر میں نظم و شعر سے بڑھ کر مزہ آتا ہے، اس موقع پر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھوں

ظاہر ہے کہ ایسی نادر المثال، عظیم المرتبت اور لاجواب کتاب کے معنی و مرادات کو سمجھنے کے لیے چند مخصوص علوم میں مہارت پیدا کرنا اور مستند تفاسیر کے مراجعت ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بعض الفاظ و آیات کی تفسیر فرمائی اور اگر کسی سے کسی لفظ و آیت کے سمجھنے میں غلطی ہوتی تو آپ نے اس کی اصلاح فرمائی اور حضرات صحابہ میں سے اگر کسی کو کوئی خلجان پیش آتا تو وہ خود بھی دریافت کر لیتے تھے، مثلاً جب آیت: الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم اولائک لهم الامن وهم مهتدون.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط نہیں کیا ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ راست پر چل رہے ہیں۔

نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ "ایّنا لم یظلم نفسه"؟ (یعنی ہم میں سے کون ہے جس سے غلطی نہیں ہوئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہاں "ظلم" سے مراد شرک ہے (خطا و معصیت نہیں) پھر آپ نے اس تفسیر پر دوسری آیت "ان الشرک لظلم عظیم" (بے شک شرک ظلمِ عظیم ہے) سے استدلال فرمایا۔

امام احمدؒ وغیرہ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من نوقش الحساب عذب" (یعنی قیامت میں جس سے باریک حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہ بچ سکے گا) اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ "فسوف یحاسب حسابا یسیراً" یعنی جس کو نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے آسان حساب لیا جائے گا تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس سے حساب لیا جائے گا وہ بھی عذاب و ہلاکت سے بچ جائے گا، آپ نے فرمایا: یہاں حساب یسیر سے صرف عرض و پیشی مراد ہے، ہر ہر عمل پر مناقشہ اور گرفت مراد نہیں، یعنی قیامت میں اہل ایمان کے نامہائے اعمال تو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جائیں گے مگر ہر ہر عمل کا باریک سے حساب نہیں لیا جائے گا اور جس کا باریکی سے حساب لیا جائے گا اور مناقشہ کیا جائے گا وہ عذاب سے نہیں بچ پائے گا "إنه من نوقش الحساب عذب" (تفسیر ابن کثیر)۔

حضرت عدی ابن حاتمؓ آیت: "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر" (اور کھاؤ اور پیو اس وقت تک کہ تم سفید خیط صبح کا متمیز ہو جائے سیاہ خیط سے) میں خیط ابیض سے مراد دھاگہ اور خیط اسود سے سیاہ دھاگہ سمجھ بیٹھے چنانچہ ایک کالی اور ایک سفید دو ڈوریاں لے کے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور سحری اس وقت تک کھاتے رہے جب تک سفید اور کالی ڈوری میں فرق نہ محسوس ہونے لگا، پھر صبح حضور ﷺ سے یہ بات بتلائی تو آپ نے فرمایا تمہارا تکیہ اتنا چوڑا ہے کہ دن رات اس کے نیچے سما گئے؟ آیت میں "الخیط الابیض" سے مراد صبح کی سفید دھاری اور "الخیط الاسود" سے رات کی سیاہ دھاری مراد ہے (ان وسادک اذن لعریض، انما ذلک بیاض النهار من سواد اللیل) (تفسیر ابن کثیر ج ۱)۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب آیت: "والذین یکنزون الذهب والفضة لاینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم" نازہ ہوئی تو حضرات صحابہ بڑے فکر مند ہوئے کہ اس آیت کی رو سے ہم سونا چاندی وغیرہ اپنے پاس بالکل جمع کر کے نہیں رکھ سکتے، سب کا سب فقراء میں لٹا دینا ضروری ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں ابھی اس الجھن کو دور کرتا ہوں چنانچہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا نبی اللہ! اس آیت نے تو آپ کے صحابہ کو الجھن میں ڈال دیا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کو فرض کیا ہے تا کہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے، اور مرنے والے کے مال میں اس کے پسماندگان کے لیے میراث کو فرض کیا ہے، حضرت عمرؓ نے مذکورہ آیت کا صحیح مفہوم سمجھ کر خوشی میں اللہ اکبر کہا۔ (مشکوۃ کتاب الزکاۃ ص ۱۵۶)

غور کیجئے! حضرات صحابہ نے مذکورہ آیت کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ سونا و چاندی اور مال و دولت قطعاً جمع کر کے نہیں رکھے جاسکتے ورنہ آخرت میں سخت سزا ہوگی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر وتوضیح یہ فرمائی کہ اگر مال کی زکوۃ ادا کر دیا جائے تو پھر باقی اصطلاحاً وہ کنز نہیں کہلائے گا جس پر سزا ملے گی کیوں کہ اگر مطلقاً مال کا جمع کرنا برا ہوتا تو پھر مال پر نہ حولان حول ہو پاتا نہ زکوۃ فرض ہوتی، اسی طرح نہ بعد مرنے کے کچھ مال بچتا نہ تقسیم وراثت کا کوئی سوال پیدا ہوتا، کیوں کہ جو مال آتا وہ سب خرچ ہو جایا کرتا، بس خلاصہ یہ کہ مال کی زکوۃ ادا کر دینے کے بعد باقی مال پاک ہو جاتا ہے اس کو جمع کر کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اقسام تفسیر:

تفسیر کی تین قسمیں ہیں: (۱) تفسیر بالروایہ (۲) تفسیر بالدرایہ (۳) تفسیر بالاشارہ

تفسیر بالروایہ: وہ تفسیر ہے جو اللہ تعالی کی مراد کو بیان کرنے کے لیے قرآن یا سنت یا کلام صحابہ میں آئی ہے مثلاً آیت: "کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط لابیض من الخیط الاسود من الفجر" میں "من الفجر" کا لفظ "الخیط لابیض" کی تفسیر ہے اسی طرح "وما ادراک ماالطارق" کی تفسیر اگلی آیت میں النجم الثاقب" آئی ہے، ایسے ہی اور بھی بہت سی تفسیر القرآن کی مثالیں قرآن میں پائی جاتی ہیں، اسی طرح حدیث میں بھی بہت سی آیتوں کی تفسیر پائی جاتی ہے مثلاً آیت الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم" کے لفظ ظلم کی تفسیر حدیث میں شرک سے کی گئی ہے اور "غیر المغضوب علیھم ولاالضالین" میں لفظ "المغضوب علیھم" کی تفسیر "الیھود" اور "الضالین" کی تفسیر "النصاری" سے کی گئی ہے۔ (ترمذی ج۲)

اسی طرح کلام صحابہ میں بھی بہت سی آیتوں کی تفسیر پائی جاتی ہے مثلاً قرآن حکیم میں ہے "والباقیات الصالحات خیر، عند ربک ثواباً وخیرا املاً" اس آیت کے لفظ "الباقیات الصالحات" کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے "الصلوۃ الخمس" سے فرمائی ہے۔ (ابن کثیر ج۳) تفسیر بالروایہ کو تفسیر ماثور بھی کہتے ہیں۔ (مناہل العرفان ۱/ص ۳۴۰، ۳۴۱)

تفسیر بالدرایہ: وہ ہے جو تفسیر کے لیے مطلوبہ علوم وماخذ پر نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے اور اجتہاد سے کی جائے، ظاہر ہے کہ ایسی تفسیر دلیل وبرہان سے مزین ہوگی اور قابل قبول ہوگی، اس کے برخلاف جو تفسیر وتاویل یوں ہی الل ٹپ محض اپنے خیال ورائے سے کی گئی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہو وہ مذموم وحرام ہے، ایسی تفسیر وتاویل کرنے والے کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کر لینا چاہیے۔

تفسیر بالاشارہ: ان اسرار ولطائف اور واردات قلبیہ کا نام ہے جو مخفی اشاروں کے ذریعہ اہل اللہ اور عارفین باللہ پر منکشف ہوتے ہیں اور ان کے پاکیزہ قلوب پر وارد ہوتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد نصوص کے ظاہری معانی ومرادات کا انکار نہیں ہوتا بلکہ ان پر ایک مفید اضافہ ہوتا ہے، تفسیر بالاشارہ کو تفسیر اشاری اور تفسیر صوفی بھی کہتے ہیں۔

سوال (۴) الفوز الکبیر

(الف) تفسیر کے لیے کتنے علوم کی ضرورت پڑتی ہے؟ بالتفصیل لکھئے
(ب) تفسیر کے مآخذ کیا ہے؟ (ج) تاویل کے معنی بیان کرنے کے بعد تاویل اور تفسیر میں فرق بیان کریں۔

الجواب

(الف) تفسیر کے لیے ضروری علم:

اہل فن نے تفسیر کے اہل ہونے کے لیے پندرہ علوم پر مہارت ضروری قرار دی ہے، جن کے بغیر قرآن حکیم کے معانی ومرادات کو بیان کرنے کی کوشش کرنا اٹکل کے تیر چلانا ہے، قرآن وحدیث میں ایسے شخص کے بارہ میں سخت وعید آئی ہے جو تفسیر کے لیے ضروری علوم اور بنیادی اصول کا لحاظ کیے بغیر محض اپنے خیال وخواہش کے مطابق قرآن میں من مانی گفتگو کرتا ہے، تفسیر کا اہل ہونے کے لیے جن پندرہ علوم کی ضرورت ہے وہ حسب ذیل ہے:

(۱) علم لغت (۲) علم نحو (۳) علم صرف (۴) علم اشتقاق (۵) علم بیان (۶) علم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

معانی (۷) علم بدیع (۸) علم قراءت (۹) علم اصول الدین (۱۰) علم اصول فقہ (۱۱) علم اسباب نزول (۱۲) علم ناسخ ومنسوخ (۱۳) علم فقہ (۱۴) احادیث مبیّنہ (۱۵) علم وہبی

علم لغت: علم لغت سے قرآن حکیم کے مفرد الفاظ کے معانی معلوم ہوتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص "للّذین یولون من نّساء هم تربص اربعة اشهر فان فاؤا فانّ الله غفور رحیم" جولوگ قسم کھا بیٹھیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر یہ لوگ رجوع کرلیں تو اللہ تعالی مغفرت ورحمت فرمائیں گے۔ کی تفسیر الا یلاء، التربص، الفئی کے لغوی معنی جانے بغیر کرنا چاہے تو ہرگز نہیں کرسکتا، حضرت مجاہد فرماتے ہیں: جو شخص اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے جائز نہیں کہ کتاب اللہ میں لب کشائی کرے جب تک کہ لغات عرب کا علم نہ رکھتا ہو (الاتقان ج ۲)۔

علم نحو: مفسر کے لیے علم النحو میں مہارت ضروری ہے کیوں کہ اعراب وحرکات کی پہچان علم نحو پر موقوف ہے، ان کے تغیر وتبدل سے معنی کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے، مثلاً اگر کوئی "ان الله بریء من المشرکین ورسوله (سورہ توبہ) (اللہ تعالی مشرکین سے بری ہے اور اس کا رسول بھی بری ہے) میں "رسولهُ" کو بجائے پیش کے زیر کے ساتھ "رسولِه" پڑھ دے تو بڑا خطرناک مفہوم پیدا ہوجائے گا پھر آیت کا مطلب یہ ہوجائے گا کہ اللہ تعالی مشرکین اور اپنے رسول دونوں سے بری وبیزار ہے (نعوذ باللہ) جب کہ آیت کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں مشرکین سے بری وبیزار ہیں ظاہر ہے کہ مفہوم ومعنی میں اتنا بڑا فرق " رسوله "میں اعراب میں اعراب کی غلطی سے پیدا ہوا۔

علم صرف: تفسیر کے لیے علم صرف بھی ضروری ہے اس کے بغیر اسماء وافعال کے اوزان وبناوٹ اور صیغوں کی پہچان ناممکن ہے جب کہ صیغوں کے اختلاف سے معانی میں بہت بڑا فرق واقع ہوجاتا ہے، اور بات کچھ سے کچھ بن جاتی ہے، علامہ زمخشری نے ایک

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تفسیری عجوبہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے آیت ”یوم ندعو کلَّ اُناس بِاِمامهم“ میں لفظ امام کو اُمّ کی جمع سمجھ کر تفسیر بیان کی قیامت کے دن اللہ تعالی ہر شخص کو اس کی ماں کے نام کے ساتھ پکارے گا تا کہ اگر کوئی صحیح النسب نہ ہو تو اس پردہ پوشی ہو حالانکہ اُمّ کی جمع امہات آتی ہے، امام نہیں ہے، لفظ امام تو خود مفرد ہے اب ظاہر ہے کہ اتنی خطرناک غلطی علم صرف سے نابلد ہونے کی وجہ سے ہوئی (تفسیر قرطبی ج ۱/ص ۲۴) یاد رہے کہ یہاں آیت میں ”امام“ سے مراد حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں یا انسان کا نامۂ اعمال ہے۔

علم اشتقاق: مفسر کے لیے اشتقاق کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ الفاظ مختلف مادّوں سے بننے کی وجہ سے مختلف معانی دیتے ہیں، جیسا کہ لفظ ”قائل“ ہے کہ اگر اس کو ”قیلولہ“ سے مشتق مانا جائے تو اس کا معنی ہوگا دوپہر کو آرام کرنے والا اور اگر اسے ”قول“ سے مشتق مانا جائے تو اس کا معنی ہوگا ”کہنے والا“۔

علم معانی: (الفاظ کے صحیح موقع استعمال کا فن: مفسر کے لیے علم معانی میں ماہر ہونا ضروری ہے اس سے کلام کی ترکیبوں کے خواص معنی کے اعتبار سے معلوم ہوتے ہیں، اس علم میں آٹھ چیزیں موضوع بحث ہیں: (۱) خبر (۲) انشاء (۳) مسند الیہ (۴) مسند (۵) متعلقات فعل (۶) قصر (۷) وصل وفصل (۸) ایجاز، اطناب، مساوات۔

ایک مفسر جب تک ان تمام موضوعات سے اچھی طرح واقف نہیں ہوگا اس کے لیے کما حقہ قرآن سمجھنا مشکل ہے کیوں کہ قرآن حکیم میں علم معانی کے جملہ موضوعات سے متعلق استعمالات پائے جاتے ہیں، مثلا جو شخص یہ نہیں جانتا کہ خبر کا استعمال کتنے مقاصد کے لیے ہوتا ہے وہ ”ربّنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا وترحمنا لنكوننَّ من الخاسرين“ کے بارے میں جو کہ ایک خبر ہے یہ کیسے سمجھے گا کہ یہاں خبر کا مقصد اللہ تعالی کو اپنے گنہ گار ہونے سے واقف کرنا یا اپنی واقفیت ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ خبر کہ پیرایہ میں رحم کی درخواست (استرحام) کرنا مقصود ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

علم بیان: (کسی مفہوم کو مختلف انداز سے تعبیر کرنے کا فن جاننا): اس علم میں کلام کے ظہور وخفا، تشبیہ واستعارہ، حقیقت ومجاز، اور کنایہ وغیرہ کے موضوعات زیر بحث ہوتے ہیں، یہاں چند مثالیں بطور نمونہ پیش کی جارہی ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ قرآن فہمی کے لیے اس فن سے واقفیت کی کتنی شدید ضرورت ہے۔

(۱) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: "وحور عین کَأمثالِ اللُّؤ لؤ المکنون" (اور جنت میں بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہیں جیسے چھپا کر رکھے ہوئے آبدار موتی) آیت کریمہ میں "حور عین" کو "لؤلؤ مکنون" کے ساتھ حسن ودلکشی میں تشبیہ دی گئی ہے، اور تشبیہ دینے کے لیے "کامثال" کا لفظ لایا گیا ہے، لہٰذا "حور عین" مشبہ اور "لؤ لؤ مکنون" مشبہ بہ ہے اور حسن ودلکشی وجہ تشبیہ ہے اور لفظ "کاَمثال" حرف تشبیہ ہے۔

(۲) ارشاد ہے: "وإذا تُلیت علیھم آیاته زادتھم ایماناً" (اور جب اس کی آیتیں انھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کردیتی ہیں) اس آیت میں ایمان کو زیادہ کرنے کی نسبت آیات کی جانب مجازاً کی گئی ہے کیوں کہ ایمان کو زیادہ کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

علم بدیع: (کلام میں مزید حسن وخوبصورتی پیدا کرنے کے طریقے جاننے کا فن: مفسر کے لیے علم بدیع میں بھی ماہر ہونا ضروری ہے اس لیے کہ اس سے کلام کے حسن وخوبصورتی سے واقفیت ہوتی ہے اور حسن وخوبصورتی پیدا کرنے کے طریقے معلوم ہوتے ہیں، علم بدیع میں دو چیزیں موضوع بحث ہوتی ہیں: (۱) محسنات لفظیہ (۲) محسنات معنویہ۔

محسنات لفظیہ: سے مراد وہ طریقے ہیں جن سے لفظی خوبصورتی پیدا کی جاتی ہے یہاں نمونہ کے طور پر محسنات لفظیہ کی صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ا) ارشاد ہے: ویوم تقوم الساعة یقسم المجرمون مالبثوا غیر ساعة (یعنی جس روز قیامت برپا ہوگی گنہ گار قسمیں کھائیں گے کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے) آیت کریمہ میں جناس تام مماثل کی صفت پائی جارہی ہے اور جناس تام مماثل یا تجنیس تام مماثل وہ ہے جس میں دو لفظ ایسے استعمال کیے گئے ہو جو تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مختلف ہوں نیز دونوں لفظ حروف کی نوعیت، ہیئت، عدد اور ترتیب میں متفق ہوں چنانچہ آیت کریمہ میں دیکھئے دو لفظ "الساعة" اور "ساعة" استعمال کیے گئے ہیں دونوں تلفظ میں مشابہ ہیں مگر معنی میں مختلف ہیں ع پہلی ساعۃ سے مراد قیامت ہے اور دوسری ساعۃ سے مراد تھوڑا سا وقت ہے اور دونوں لفظ ایک ہی نوعیت کے ہیں، یعنی دونوں اسم ہیں اسی طرح دونوں کی شکل وصورت عدد اور ترتیب بھی ایک ہے۔

محسنات معنویہ: (وہ طریقے جن سے کلام میں معنوی حسن وخوبصورتی پیدا کی جائے): یہاں نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال پر قناعت کی جارہی ہے۔

(ا) ارشاد ہے: والسماء بنیناها بأید (اور آسمانوں کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا ہے) اس آیت میں "اید" مراد قدرت ہے جو کہ اس کا معنی بعید ہے اور اس کا قریب معنی ہاتھ کے ہیں اور اس قریب ومشہور معنی کی مناسبت سے "بنینا" (ہم نے بنایا) استعمال کیا گیا ہے کلام کی اس صنعت کو اصطلاح میں "ابہام" یا "توریہ" کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں ایسا لفظ استعمال کرنا جس کے دو معنی ہوں ایک قریب ومشہور اور دوسرا بعید وغیرہ مشہور پھر کسی قرینہ کی بنا پر قریب معنی چھوڑ کر بعید اور غیر مشہور معنی مراد لیا جائے۔

علم القراءت: ایک مفسر کے لیے مختلف قراءتوں کا علم بھی ضروری ہے کیونکہ اختلاف قراءت سے مختلف معانی واحکام کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون سے معنی کو کس معنی پر ترجیح حاصل ہے، مثلاً سورہ بقرہ میں ہے: فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوهن حتی یطهرن (پس عورتوں سے حیض میں الگ رہو اور ان کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پاس نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں) آیت کریمہ میں لفظ "یطھرن" کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے بغیر تشدید کے (یَطْھُرْنَ) اور تشدید کے ساتھ (یَطَّھَّرْنَ) امام ابوحنیفہ نے دونوں قراءتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ مسئلہ اخذ فرمایا ہے کہ اگر حیض کا خون دس دن پورے ہونے پر بند ہو تو بغیر غسل کے بھی اس عورت سے صحبت کی جا سکتی ہے، اس لیے کہ وہ پاک ہو چکی ہے، جیسا کہ حتی "یطھرن" سے معلوم ہوا، اور اگر حیض کا خون دس دن سے پہلے بند ہو جائے تو شوہر اس سے اس وقت تک صحبت نہیں کرسکتا جب تک کہ عورت غسل کرکے پاک نہ ہو جائے کیوں کہ "یَطَّھَّرْنَ" تشدید کے ساتھ "یغتسلن" کے معنی ہے یعنی تشدید کی وجہ سے طہارت میں تاکید کا مفہوم پایا جا رہا ہے اور وہ غسل ہی سے پورا ہوگا۔

اصول الدین: تفسیر کے لیے علم اصول الدین (علم العقائد) بھی ضروری ہے اس علم کے ذریعہ اسلامی عقائد کو دلائل کی روشنی میں ثابت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اس کا موضوع اللہ تعالی کی ذات وصفات ہے، قرآن حکیم میں عقائد سے متعلق ایسی بھی آیات ہیں جن کے ظاہری معنی مراد نہیں لیے جا سکتے بلکہ ان میں مناسب تاویل کرنی پڑتی ہے، مثلاً "الرحمن علی العرش استوی" (رحمٰن عرش پر قائم ہوا) یا "یداللہ فوق ایدیھم" (ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے) وغیرہ جن میں اللہ تعالی کے لیے استواء ہاتھ، چہرہ، پہلو، پنڈلی اور آنکھ وغیرہ کا ذکر ہے کیوں کہ اس قسم کی آیتوں کے ظاہری معنی کا اطلاق اللہ تعالی پر صحیح ہے، اس کی شان کے خلاف ہے، وہ جسم اور جسمانیات نیز مخلوقات کی صفات وحرکات سے منزہ ہے، پس اس قسم کی آیات کی مناسب تاویل اور اسلامی عقائد کی تشریح وہی کر سکے گا جو علم اصول الدین سے آراستہ ہوگا۔

اصول فقہ: قرآن حکیم میں دو طرح کی آیتیں ہیں: بعض وہ ہیں جن میں صراحۃ کوئی حکم بیان کیا گیا ہے اور بعض وہ ہیں جن میں صراحۃ تو کوئی حکم مذکور نہیں البتہ اجتہاد واستنباط کے ذریعہ احکام معلوم کیے جاتے ہیں، علم اصول فقہ سے قرآن وحدیث کے ذریعہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

استنباط احکام کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور احکام پر استدلال کے وجوہ (عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص) کا علم ہوتا ہے، اس علم کے بغیر بات کی تہہ تک پہونچنا بھی مشکل ہے۔

اسباب نزول یا شان نزول: آیت یا سورت کے شان نزول اور پس منظر سے اس کا ٹھیک ٹھیک مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے اور شان نزول سے ناواقفیت کی وجہ سے غلط فہمیاں اور طرح طرح شبہات پیدا ہوسکتے ہیں، اس لیے تفسیر کے لیے شان نزول کا جاننا بھی ضروری ہے۔

علم فقہ: تفسیر کے لیے علم فقہ بھی ضروری ہے کیوں کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

علم حدیث: احادیث کی مضامین ومباحث کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں: احادیث مؤیدہ، احادیث مبینہ اور احادیث مستقلہ ان میں سے تفسیر قرآن کے لیے بطور خاص احادیث مبینہ کا علم انتہائی ضروری ہے کیوں کہ یہ قرآن کی مجمل آیات کی تبیین وتفسیر اور مبہم آیات کی توضیح وتشریح کرتی ہیں جو شخص ان سے نابلد ہوگا اس کے پاس مثلاً نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ کی تفصیلات اور شریعت اسلامیہ کے مکمل نظام اور پورے سسٹم سے واقفیت کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

علم وہبی: مفسر کے لیے علم وہبی (علم لدنی) بھی ضروری ہے اور علم وہبی سے مراد اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ مخصوص علم اور فہم ہے جو اپنے خاص خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے یعنی ان بندوں کو عنایت فرماتا ہے جو علم کے مطابق عمل کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے "من عمل بما علم ورّثه الله علم مالم يعلم" (جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا اللہ تعالیٰ اسے ایسے علم سے نوازتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا تھا) حضرت خضر علیہ السلام کے بارہ میں ارشاد ہے: "وعلمناه من لدنا علما" (اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو ایک مخصوص علم دیا) یہی وہ علم ہے جس کے لیے آنحضرت ﷺ نے ابن عباس کے حق میں دعاء

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فرمائی تھی کہ "اللھم فقھه فی الدین علمه التاویل" (طبرانی فی الاوسط) اسی علم کے بارہ میں حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: علم کثرت حدیث کا نہیں بلکہ خشیت الٰہی کا نام ہے، یعنی اصل علم وہ ہے جو خشیت الٰہی اور ورع و زہد کی وجہ سے قلب میں پیدا ہوتا ہے، حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں: علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے علم تو ایک نور ہے جس واللہ تعالی قلوب میں پیدا فرما دیتے ہیں۔ (جامع العلم والعلماء ج ۲/ص ۳۱، ۳۲)

(ب) تفسیر کے مآخذ:

تفسیر قرآن کے مآخذ کیا ہیں؟ یعنی وہ کیا ذرائع ہیں جن سے ہم کسی آیت کی تفسیر معلوم کر سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں قدرے تفصیل کی ضرورت ہے جو ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ آیاتِ قرآنی دو قسم کی ہیں، بعض آیات تو اتنی صاف، واضح اور آسان ہیں کہ جو زبان جاننے والا انھیں پڑھے گا، ان کا مطلب فوراً سمجھ میں آجائے گا، اسی لیے ایسی آیتوں کی تفسیر میں کسی اختلافِ رائے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ایسی آیات کی تفسیر کا مآخذ تو صرف "لغت عرب ہے"، عربی زبان پر ماہرانہ نظر اور عقل سلیم کے سوا ان کا مطلب سمجھنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت نہیں، لیکن دوسری قسم ان آیات کی ہے جن میں کوئی اجمال، ابہام، یا تشریحی دشواری پائی جاتی ہے، یا ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ان کے پورے پس منظر کو سمجھنے کی ضرورت ہے، یا ان سے دقیق قانونی مسائل یا گہرے اسرار و معارف مستنبط ہوتے ہیں، ایسی آیات کی تشریح کے لیے محض زبان دانی کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے بہت سی معلومات کی ضرورت ہے، آگے اسی قسم کی آیات کی تفسیر کے مآخذ بیان کیے جارہے ہیں:۔

اس لحاظ سے "تفسیر قرآن" کے کل چھ مآخذ ہیں: (۱) خود قرآن کریم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) احادیث نبویہ (۳) صحابۂ کرامؓ کے اقوال (۴) تابعین کے اقوال (۵) لغت عرب اور (۶) عقل سلیم، ذیل میں ان تمام مآخذ کی تھوڑی سی تفصیل اور علمِ تفسیر میں ان کے مقام کے بارے میں چند مباحث پیش خدمت ہیں:

پہلا مأخذ خود قرآن کریم:

(۱) تفسیر قرآن کا پہلا مأخذ خود قرآن کریم ہے، یعنی اس کی آیات بعض اوقات ایک دوسرے کی تفسیر کر دیتی ہیں، ایک جگہ کوئی بات مبہم انداز میں کہی جاتی ہے اور دوسری جگہ اس ابہام کو رفع کر دیا جاتا ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ میں ارشاد ہے:

"اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم" (فاتحہ) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت کیجئے، ان لوگوں کے راستے کی جن پر آپ نے انعام فرمایا۔

یہاں یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ جن لوگوں پر انعام فرمایا گیا ہے ان سے کون لوگ مراد ہیں، لیکن دوسری جگہ ارشاد ہے:

"فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء الصلحین" (نساء:۶۹) یہ ساتھ ہوں گے ان لوگوں کے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگ۔

دوسرا مأخذ، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

تفسیر قرآن کا دوسرا مأخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں، قرآن کریم نے متعدد مقامات پر یہ واضح فرمایا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ اپنے قول وفعل سے آیات قرآنی کی تفسیر فرمائیں، چنانچہ سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

"وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم" (نحل: ۴۴) اور ہم نے قرآن آپ پر اسی لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمادیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے قرآن کریم کی توضیح فرمائیں۔

تیسرا مأخذ اقوالِ صحابہؓ:

جن حضرات نے قرآن کریم کی تعلیم براہِ راست آنحضرت ﷺ سے حاصل کی وہ صحابۂ کرامؓ ہیں، ان میں سے بعض حضرات نے اپنی پوری زندگیاں اسی کام کے لیے وقف کی ہوئی تھیں کہ قرآن کریم، اس کی تفسیر اور متعلقات کو براہِ راست آپ ﷺ کے اقوال وافعال سے حاصل کریں، یہ حضرات اہل زبان بھی تھے اور نزولِ قرآن کے ماحول سے پوری طرح باخبر بھی لیکن انھوں نے اپنی زبان دانی پر بھروسہ کرنے کے بجائے قرآن کریم کو سبقاً آپ ﷺ سے پڑھا، امام ابوعبدالرحمٰن سلمی مشہور تابعی عالم ہیں وہ فرماتے ہیں:

"حدثنا الذین کانوا یقرء ون القرآن کعثمان بن عفان وعبداللہ بن مسعود وغیرھم انھم کانوا اذا تعلموا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر آیات لم یتجاوزوھا حتی یعلموا ما فیھا من العلم والعمل" (صحابہ کرامؓ میں سے) جو حضرات قرآنِ کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے، مثلاً حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ جب آپ ﷺ سے دس آیتیں سیکھتے تو ان سے اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک کہ ان آیتوں کی تمام علمی وعملی باتوں کا علم حاصل نہ کرلیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

چوتھا مأخذ تابعین کے اقوال:

تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے صحابۂ کرامؓ سے علم حاصل کیا، اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ تفسیر میں تابعین کے اقوال حجت ہیں یا نہیں؟ حافظ ابن کثیرؒ نے اس سلسلے میں بہترین محاکمہ کیا ہے، ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ تابعی اگر کوئی تفسیر کسی صحابی سے نقل کر رہا ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابۂ کرامؓ کی تفسیر کا ہے اور اگر خود اپنا قول بیان کرے تو دیکھا جائے گا کہ دوسرے کسی تابعی کا قول اس کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر کوئی قول اس کے خلاف موجود ہو تو اس وقت تابعی کا قول حجت نہیں ہوگا بلکہ اس آیت کی تفسیر کے لیے قرآن کریم، لغتِ عرب، احادیث نبویہ، آثار صحابہ اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے گا اور اگر تابعین کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الاتباع ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیرؒ ج۱/ص۵، المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ ۱۳۵۶ھ)

پانچواں مأخذ لغت عرب:

پیچھے بتایا جا چکا ہے کہ قرآن کریم کی جس آیت کا مفہوم بدیہی طور پر واضح ہو اور جس کے مفہوم میں کوئی الجھن، اشتباہ یا ابہام و اجمال نہ ہو اور نہ اسے سمجھنے کے لیے کسی تاریخی پسِ منظر کو جاننے کی ضرورت ہو، وہاں تو عربی لغت ہی تفسیر کا واحد مأخذ ہے لیکن جہاں کوئی ابہام و اجمال پایا جا رہا ہو جو آیت کسی واقعاتی پس منظر سے وابستہ ہو یا اس سے فقہی احکام مستنبط کیے جا رہے ہوں، وہاں محض لغت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں تفسیر کی اصل بنیاد تو خود قرآن کریم، سنتِ نبویہ اور صحابہ و تابعین پر ہوگی لیکن ان مأخذ کے بعد لغت عرب کو بھی سامنے رکھا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایک وسیع زبان ہے اور اس میں ایک ایک لفظ کئی کئی معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ایک ایک جملے متعدد معنی ہو سکتے ہیں، لہٰذا صرف لغت کی بنیاد پر ان میں سے کوئی مفہوم معین کرنا مغالطوں کا سبب بن جاتا ہے، اسی بنا پر بعض حضرات نے ''مطلق لغت'' کو مستقل مأخذ ماننے سے ہی انکار کیا ہے۔

چھٹا مأخذ عقلِ سلیم:

عقلِ سلیم کی ضرورت یوں تو دنیا کے ہر کام کے لیے ہے اور ظاہر ہے کہ پچھلے چار مأخذ سے استفادہ بھی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے، لیکن یہاں اس کو ایک مستقل مأخذ کے طور پر ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم کے اسرار و معارف ایک ناپیدا کنار سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں، مذکورہ بالا پانچ مأخذ کے ذریعے اس کے مضامین کو بقدرِ ضرورت تو سمجھا جا چکا ہے لیکن جہاں تک اس کے اسرار و حکم اور حقائق و معارف کا تعلق ہے ان کے بارے میں کسی بھی دور میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب ان کی انتہاء ہوگئی ہے اور اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے، اس کے بجائے واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے ان حقائق و اسرار پر غور و فکر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اور جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم و عقل اور خشیت اور انابت کی دولت سے نوازا ہو وہ تدبّر کے ذریعہ نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی اپنی فہم کے مطابق اس باب میں اضافہ کرتے آئے ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کی دعا آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے فرمائی تھی: ''اللهم علمه التاويل وفقهه في الدين'' یا اللہ اس کو تفسیر کا علم اور دین میں سمجھ عطا فرما۔

لیکن اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس طرح عقل و فہم سے مستنبط کیے ہوئے وہی حقائق و اسرار معتبر ہیں جو دوسرے شرعی اصول اور مذکورہ بالا پانچ مأخذ سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

متصادم نہ ہوں اور اگر اصولِ شرعیہ کو توڑ کر کوئی نکتہ بیان کیا جائے تو اس کی دین میں کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

(ج) تاویل کا معنی اور تاویل و تفسیر میں فرق:

تاویل کا معنی: ''تاویل'' ''اول'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے اصل کی طرف لوٹنا اور رجوع کرنا، لہٰذا تاویل کا معنی ہوا کلام کو اس کے معانی محتملہ کی جانب لوٹانا اور اگر تاویل ''ایالۃ'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے تدبیر و انتظام کرنا تو پھر تاویل کا مطلب ہوتا ہے اپنے حسن تدبیر اور دینی شعور سے چند معانی محتملہ میں سے موقع و محل کے لحاظ سے کسی ایک معنی کو متعین کرنا۔

تفسیر و تاویل میں فرق: علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ تاویل کا اصطلاحی معنی وہی ہے جو تفسیر کا ہے یعنی دونوں مترادف ہیں، متقدمین اسی کے قائل ہیں، چنانچہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں: ''ان العلماء یعلمون تاویله'' اور تاویل سے تفسیر مراد لیتے ہیں علامہ ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''القول فی تاویل قوله تعالیٰ کذا'' اسی طرح لکھتے ہیں: ''واختلف اهل التاویل فی معنی الآیة'' اور تاویل بول کر تفسیر اور اہل التاویل بول کر اہل تفسیر مراد لیتے ہیں۔

اس کے برخلاف علماء کی ایک جماعت تفسیر و تاویل میں فرق کرتی ہے علماء متاخرین اسی کے قائل ہیں، علامہ جرجانی فرماتے ہیں تاویل کے اصل معنی ترجیع اور لوٹانے کے ہیں اور اصطلاحی معنی ہے لفظ کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر اس کا کوئی ایسا معنی بیان کرنا جس کا کتاب و سنت کی روشنی میں احتمال و گنجائش ہو جیسے آیت: ''یخرج الحی من المیت'' میں ''الحیّ'' سے مراد مومن یا عالم لینا اور ''المیت'' سے مراد کافر یا جاہل لینا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں تفسیر و تاویل میں عموم و خصوص کی نسبت ہے، تاویل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہتے ہیں کسی دلیل کی بنیاد پر لفظ کے غیر متبادر معنی لینے کو اور مطلق لفظ کا معنی بیان کرنے کو خواہ وہ متبادر ہو یا غیر متبادر ہو (یعنی ذہن ادھر فوراً منتقل ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو) تفسیر کہتے ہیں تاویل خاص ہے اور تفسیر عام۔

مشہور متکلم علامہ ابو المنصور ماتریدی فرماتے ہیں: لفظ کے قطعی معنی ومراد کو بیان کرنے کو تفسیر کہتے ہیں، صاحب معالم التنزیل علامہ بغوی وغیرہ تفسیر وتاویل میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں: مفسر کا اپنے اجتہاد سے چند معانی کی گنجائش رکھنے والی آیت کا کوئی ایسا معنی بیان کرنا جو ماقبل ومابعد کے مطابق ہو اور کتاب وسنت کے خلاف بھی نہ ہو، تاویل کہلاتا ہے بشرطیکہ اس پر کوئی قوی دلیل قائم ہو اور تاویل چند معانی محتملہ سے کسی ایک معنی کو بغیر قطعیت ترجیح دینے کو کہتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں: تفسیر تاویل سے اَعَم ہے لفظ تفسیر کا زیادہ تر استعمال الفاظ مفردہ کے لیے ہوتا ہے اور لفظ تاویل کا زیادہ تر استعمال معانی اور جملوں کی وضاحت کے لیے ہوتا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں: تفسیر ایسے لفظ کی وضاحت کرنے کو کہتے ہیں جس کا ایک ہی معنی ہو اور تاویل کہتے ہیں متعدد احتمالات رکھنے والے لفظ کے کسی ایک معنی کو دلیل کی روشنی میں ترجیح دینے کو، بعض حضرات فرماتے ہیں روایات واحادیث کی روشنی میں قرآن کی تشریح کا نام تفسیر ہے اور اپنی فہم ودرایت کے ذریعہ تشریح کا نام تاویل ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں: تفسیر ان معانی کو بیان کرنے کو کہتے ہیں جو نفس عبارت سے سمجھ میں آرہے ہوں اور تاویل ان معانی کو بیان کرنے کو کہتے ہیں جو بطور اشارہ مستفاد ہوں، علماء متاخرین کے نزدیک، تفسیر تاویل میں یہی فرق زیادہ مشہور ہے علامہ محمود آلوسی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آخری قول کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں تاویل وہ علوم ومعارف ہیں جن کا غیبی فیضان عارفین اور اہل اللہ کے قلوب پر ہوتا ہے اور تفسیر اس کے علاوہ ہے یعنی تفسیر میں الفاظ وآیات کے ظاہری معانی ومرادات بیان کیے جاتے ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

﴿سوال (۳) الفوز الکبیر ص/ ۱۵﴾

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق کریں (ج) من روایة و درایة میں روایہ اور درایہ سے کیا مراد ہے؟ (د) مصنف نے اپنی کتاب کو حمد سے کیوں شروع نہیں کیا؟

الجواب

عبارت با اعراب: آلَاءُ اللّٰهِ تَعَالیٰ عَلٰی هٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيفِ لَاتُعَدُّ وَلَاتُحْصٰی، وَأَجَلُّهَا: التَّوْفِيقُ لِفَهْمِ الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ. وَ مِنَنُ صَاحِبِ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ، عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، عَلٰی أَحْقَرِ الْأُمَّةِ كَثِيرَةٌ؛ وَأَعْظَمُهَا: تَبْلِيغُهُ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ الْكَرِيمَ؛ لَقَّنَ النَّبِيُّ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ الْجِيلَ الْأَوَّلَ وَهُمْ أَبْلَغُوهُ لِلْجِيلِ الثَّانِي وَهَلُمَّ جَرًّا، حَتّٰى بَلَغَ هٰذَا الضَّعِيفَ أَيْضًا حَظٌّ مِنْ رِوَايَتِهِ وَدِرَايَتِهِ.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس ناتوان بندے پر بے شمار اور انگنت ہیں؛ اور ان (نعمتوں) میں سب سے بڑی نعمت قرآن عظیم سمجھنے کی توفیق ہے، اور صاحب نبوت ورسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کمترین امت پر بہت ہیں؛ اور ان میں سے سب سے بڑا احسان قرآن کریم کو امت تک پہنچانا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم صحابۂ کرامؓ کو بالمشافہ تلقین کیا؛ اور انہوں نے اس کو تابعین عظام تک پہنچایا؛ اس طرح (سلسلہ) چلتا رہا یہاں تک کہ اس ناتوان کو بھی قرآن کریم کے الفاظ ومعانی میں سے وافر حصہ ملا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) خط کشیدہ الفاظ کی تحقیق:

لغات: آلاءٌ: نعمتیں؛ سورۂ رحمٰن میں یہ لفظ بار بار آیا ہے ﴿فبایِّ آلآء ربکما تکذبان﴾ اس کا واحد تین اوزان پر آتا ہے (۱) ألالی بروزن الھوی (۲) الالِی بروزن العِدیٰ (۳) الالْیُ بروزن الحبْرُ و القِدْرُ ...... **لاتعد:** مضارع مجہول سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے؛ عَدّ (ن) عدًّا و تعداداً الشیء: شمار کرنا، گننا...... **لاتحصی** بھی مضارع مجہول سے واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے؛ احصی الشیء احصاءً (باب افعال) شمار کرنا، احاطہ کرنا...... **اجل** (اسم تفضیل) سب سے بڑا، جلَّ (ن) جلالۃً: بڑے مرتبہ والا ہونا...... **مِنَنٌ**، منَّۃ کی جمع ہے: احسان...... **لقّنۃ الکلام**: بالمشافہ سمجھنا...... **الجیل**: لوگوں کا ایک گروہ، ایک زمانہ کے لوگ جمع اجیال وجیلان؛ یہاں الجیل الاولی سے صحابۂ کرامؓ اور الجیل الثانی سے تابعین عظام مراد ہیں...... **روایۃ** (ض) نقل کرنا، بیان کرنا...... **درایۃ** (ض) جاننا؛ یہاں ''روایت'' سے نظم قرآنی اور ''درایت'' سے فہم معانی مراد ہے۔

فائدہ: ھلُمَّ جَرًّا کی تحقیق:

ھلُمَّ اسم فعل ہے بمعنی إئت (آؤ) اور اتیان سے اتیان حسی یعنی مشی بالاقدام مراد نہیں ہے بلکہ مداومت اور استمرار علی الشیء مراد ہے، جیسے امش علی ھذا الأمر میں امش سے مشی بالاقدام مراد نہیں ہے، بلکہ دوام اور استمرار علی الامر مراد ہے، نیز اس جملہ سے جو بظاہر معنی مفہوم ہوتے ہیں وہ بھی مراد نہیں ہیں، بلکہ معنی خبری مراد ہیں، لہٰذا اس جملہ کا عطف جملہ خبریہ پر کرنا جائز ہے۔

اور جرّ مصدر ہے جر یجر (کھینچنا) کا، یقال جرہ اذا جذبہ وسحبہ،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور جر سے بھی جر حسی مراد نہیں ہے، بلکہ مداومت اور استمرار کے معنی میں مستعمل ہے، اور یہ هلم کا مفعول مطلق ہے، من غیر لفظہ جیسے قعدت جلوساً، پس اس جملہ کے معنی ہیں: استمر استمراراً۔

حقیقت هلمّ اور استعمال کی وضاحت:

وهلم جرّا: یعنی یقال تجر السلسلة جرًّا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں نے تفسیر ایک کے بعد دیگرے کو پہنچایا۔

هلمّ: بفتح الهاء وضم اللام وتشديد الميم بمعنى اقبل.

ترکیب جرًّا: اس میں ترکیباً دو احتمال ہیں: (۱) جرًّا یہ حال اسم فاعل کے معنی میں ہوکر، أی "تعال جار" (۲) جراً یہ مفعول مطلق ہے أی "حجر جراً"۔

حقیقت هلمّ: اس کے بارے میں اختلاف ہے:

مذاہب: (۱) بصریوں کے نزدیک "هلم" یہ ہائے تنبیہ اور "لُمّ" صیغہ امر مخاطب سے مرکب ہے اور ہاء کی الف کو اختصار کے لیے حذف کیا گیا لُمّ بمعنی جمع کرنا أی أجمع نفسک إلينا.

(۲) کوفیوں کے نزدیک "هلم" یہ "هل" اور "ام" سے مرکب ہے پھر ہمزہ کی ضمہ کو "لام" کی طرف نقل کیا گیا اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا، "ام" بمعنی قصد کرنا۔

استعمالِ هلُمّ: اس کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے:

مذاہب: (۱) علماء المعقول يستعملونه حيث يريدون بينه عدم النهاية.

(۲) حجازيين يسوون فيه الواحد والمتن والجمع والمذكر والمؤنث.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۳)هلمَّ، هلما، هلموا، هلمي، هلماً، هلممن هكذا.

پھر "هلم" کبھی لازم استعمال ہوتا ہے بمعنی تعال، اقبل، كقوله تعالى: هلم الينا أیْ جِيْءَ إليْنا.

اور کبھی متعدی استعمال ہوتا ہے۔ كقوله تعالى: هلم شهدآء كم أى احضروهم.

(ج) "رواية" اور "دراية" سے مراد:

من روايته: میں من بیانیہ ہے۔ روايةً سے نظم قرآنی اور درايةً سے فہم معانی مراد ہے۔

(د) مصنف نے اپنی کتاب کو حمد سے کیوں شروع نہیں کیا؟

یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ مصنف، علامؒ نے رسالہ کو حمد سے کیوں نہیں شروع فرمایا؟ اس سوال کا بے تکلف جواب یہ ہے کہ بغرض تعظیم اللہ تعالی کے محاسن وکمالات کو بیان کرنا "حمد" ہے، اور مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ عبارت میں اللہ تعالی کے عظیم احسانات کا ذکر کر کے اس کی فیاضی وذرہ نوازی کی خوبی بیان کی ہے۔ فلا اشکال

رہا یہ مسئلہ کہ حمد وثنا کے الفاظ کیوں نہیں استعمال کیے؟ تو اس کے دو اسباب ہوسکت ہیں: (۱) حقیقت حمد کی طرف توجہ مبذول کرانا اور اس پر تنبیہ کہ اللہ تعالی کی تعریف مادہ حمد ہی پر موقوف نہیں (۲) ان لكل جديدٍ لذّةٌ کے تحت آغاز کتاب کو دلچسپ بنانا۔ واللہ اعلم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال (۴) الفوز الکبیر ص/۱۵

(الف) باعراب عبارت نقل کر کے ترجمہ کریں (ب) الفوز الکبیر کا مختصر تعارف کرانے کے بعد مصنف کتاب کی مختصر سوانح لکھئے؟

الجواب

عبارت با اعراب: أَمَّا بَعْدُ: فَيَقُوْلُ الْفَقِيْرُ وَلِيُّ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحِيْمِ، عَامَلَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى بِلُطْفِهِ الْعَظِيْمِ: لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيَّ بَابًا مِنْ فَهْمِ كِتَابِهِ الْمَجِيْدِ، خَطَرَ بِبَالِيْ أَنْ أَجْمَعَ وَأُقَيِّدَ بَعْضَ النِّكَاتِ النَّافِعَةِ الَّتِيْ تَنْفَعُ الْأَصْحَابَ فِيْ رِسَالَةٍ مُخْتَصَرَةٍ؛ وَالْمَرْجُوُّ مِنْ لُطْفِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَاانْتِهَاءَ لَهُ، أَنْ يَفْتَحَ لِطَلَبَةِ الْعِلْمِ، بِمُجَرَّدِ فَهْمِ هٰذِهِ الْقَوَاعِدِ، شَارِعاً وَاسِعاً فِيْ فَهْمِ مَعَانِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، بِحَيْثُ لَوْصَرَفُوْا عُمُرَهُمْ فِيْ مُطَالَعَةِالتَّفْسِيْرِ، وَالْقِرَاءَةِ عَلَى الْمُفَسِّرِيْنَ، عَلٰى أَنَّهُمْ أَقَلُّ قَلِيْلٍ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ، لَمْ تَتَحَصَّلْ لَهُمْ هٰذِهِ الْفَوَائِدُ بِهٰذَا الضَّبْطِ وَالرَّبْطِ. وَسَمَّيْتُهَا بِ(الْفَوْزِ الْكَبِيْرِ فِيْ أُصُوْلِ التَّفْسِيْرِ) وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ، وَهُوَ حَسْبِيْ، وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.

(الف) ترجمہ: حمد وصلوۃ کے بعد فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم اللہ تعالی ان دونوں کے ساتھ اپنی عظیم مہربانی کا معاملہ فرمائیں۔ کہتا ہے کہ جب اللہ تعالی نے مجھ پر اپنی بزرگ کتاب کے سمجھنے کا دروازہ کھولا، تو میرے دل میں خیال آیا کہ بعض مفید نکات جو ساتھیوں کو کارآمد ہو سکتے ہیں؛ ایک مختصر رسالہ میں جمع کروں اور لکھ دوں، اور اللہ تعالی کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نوازش ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، امید ہے کہ طالب علموں کے لیے صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایسی کشادہ شاہراہ کتاب اللہ کے مطالب سمجھنے میں کھل جائے گی: کہ اگر وہ اپنی عمریں کتب تفسیر کا مطالعہ کرنے میں اور مفسرین سے پڑھنے میں صرف کریں، اگر چہ ایسے حضرات اس زمانہ میں بہت ہی کم ہیں، تب بھی ان کو یہ نفع بخش باتیں اس ربط وضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتیں، اور میں نے اس رسالہ کا نام ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' رکھا، اور میری (تصنیف کی) درستگی اللہ ہی (کی مدد) سے ہے، اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں، وہ میرے لے کافی ہے، اور اچھے کارساز ہیں۔

(ب) الفوز الکبیر کا مختصر تعارف:

حضرت شاہ صاحبؒ نے فارسی زبان میں الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے نام سے ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا جس کا عربی ترجمہ (جو علامہ منیر دمشقیؒ کی جانب منسوب ہے) عرصہ سے (تقریباً پونے دو صدیوں سے) ہمارے عربی مدارس میں داخلِ نصاب ہے، ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا مصداق یہ رسالہ افادیت وجامعیت کے اعتبار سے فن کی بڑی بڑی کتابوں پر بھاری ہے، اس رسالہ میں مطالعہ تفسیر کے رہنما اصول، مفسرین کے اقوال مختلفہ میں تطبیق، شان نزول کی حقیقت اور اس کے واقعات کی حیثیت، اسلوب قرآن کا تنوع اور اس کے اسباب، مشکل ومنسوخ آیات کی توجیہات، فواصل قرآنی کی حکمت، آیات کے ذیل میں محدثین کے ذکر کردہ واقعات ومباحث کی تفسیری نوعیت، اور قرآنی کنایات وتعریضات، سورتوں کے فواتح وخواتم جیسے اہم اور نادر موضوعات کے ساتھ بلاغتِ قرآنی کے اسرار ورموز، اعجاز قرآنی کے اسباب وحکم پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، مفسرین کی تفسیری کمزوریوں کو اجاگر کیا گیا ہے، قرآن کریم سے متعلق اہم اعتراضات وشبہات کے محققانہ جواب دیے گئے ہیں، اور علوم قرآنی کی تفصیل وتشریح پیش کی گئی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مصنف کتاب کی مختصر سوانح:

نام ونسب:

اصلی نام ولی اللہ، بشارتی نام قطب الدین احمد، تاریخی نام عظیم الدین کنیت ابوالفیاض، آپ اس عربی النسل مہاجر خاندان کے چشم و چراغ بلکہ آفتاب و ماہتاب تھے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں حجاز سے عراق، ایران اور ترکستان ہوتا ہوا ساتویں صدی کے اواخر یا آٹھویں صدی کے اوائل میں ہندوستان پہونچا۔

آپ کا سلسلۂ نسب والدہ مرحومہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظمؒ تک اور والد مرحوم کی طرف سے فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔

ولادت:

آپ ۱۱۱۴ء مطابق ۱۷۰۳ء (بزمانۂ شہنشاہ عالمگیر علیہ الرحمۃ) مظفر نگر کے قصبہ پھلت میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

آپ کی تعلیم وتربیت اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے زیر سایہ ہوئی، (جو بچپن ہی سے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے پابند اور دنیا کی دولت وعزت سے بے زار تھے، صاحب کشف وکرامت بزرگ ہونے کے ساتھ حنفیت کے صاحبِ نظر وصاحب درس فقیہ تھے، فتویٰ عالمگیری کے مرتب علماء میں آپ کا نام بھی ملتا ہے) پندرہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہوئے اور عمر کی سترہویں منزل میں روحانی وباطنی کمالات سے آراستہ ہوگئے اسی کم عمری میں والد بزرگوار نے (جو مرض

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الوفات میں تھے) بیعت وارشاد کی اجازت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب مسندِ ارشاد وتدریس پر:

اوراسی سال (۱۲ رصفر ۱۱۳۱ھ بروز چہارشنبہ) جب والد بزرگوار کا انتقال ہو گیا تو ان کی مسند پر ایک سچے جانشین کی حیثیت سے جلوہ افروز ہو کر تقریباً بارہ سال تک تشنگان علوم ومعارف کو سیراب وفیض یاب کرتے رہے۔

حجاز مقدس کا سفر:

پھر ۱۱۴۳ھ میں زیارت حرمین شریفین کے والہانہ جذبۂ صادق کے ساتھ حجاز مقدس کے لیے روانہ ہو گئے ۱۵ رذی قعدہ کو مکہ مکرمہ (زادها الله شرفاً وتعظیماً) پہونچے، حرمین شریفین میں ایک سال سے زائد عرصہ مقیم رہ کر دو حج فرمائے، مشائخ حرمین سے صحاح ستہ وغیرہ کی سند حاصل فرمائی اور رات دن کی ریاضتِ تامہ کے ذریعہ گنبد خضرا کے مکین، نبی امین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی طور پر مستفیض ہوئے۔

حجاز سے واپسی:

۱۱۴۵ھ کے اوائل میں معرفت حق اور باطنی مشاہدات کے نایاک جواہرات سے دامنِ مراد بھر کر ہندوستان لوٹے، ۱۰ ریا ۱۴ ررجب کو دہلی پہونچ کر ملت کی تجدید، امت کی اصلاح وتہذیب، قرآن کی تبلیغ اور اسلامیات کی تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے، آپ بلامبالغہ بارہویں صدی کے مجدد، اسلامی علوم کے نابغۂ روزگار، شریعت مطہرہ کے عظیم فلسفی تھے، تفسیر وحدیث، کلام وتصوف، اسرارِ شریعت اور ادب وسیرت، ہر فن میں آپ کی تالیفات ہیں، تاریخ دعوت وعزیمت میں آپ کی ۵۳ رکتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جبکہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بہت سی تصانیف نایاب ہیں۔

تجدیدی کارنامے:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً نے اشاعتِ قرآن کے مخلصانہ جذبہ کے تحت ہندوستان کی مروجہ زبان فارسی میں ''فتح الرحمٰن'' کے نام سے قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کا کام ایسے وقت میں انجام دیا، جب کہ زیادہ تر علماء کا خیال تھا کہ ''قرآن مجید'' اخص الخواص کے مطالعہ اور غور وفکر کی کتاب ہے اسے عوام میں لانا، عوام کو براہ راست اس کے پڑھنے یا سمجھنے کی دعوت دینا انتہائی مضر اور شرعی نقطۂ نظر سے غلط ہے کیونکہ اس سے عوام ذہنی انتشار وخودرائی کے شکار ہوں گے، اور علماء سے بے نیازی بلکہ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے، حالانکہ دین کی صحیح سمجھ، جذبہ عمل اور دلوں میں خوف خدا وفکر آخرت پیدا کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر و مستحکم ذریعہ قرآن کریم ہے۔

اس کے علاوہ تفسیر میں زہراوین وفتح الخبیر، اور تاویل واصول تفسیر پر تاویل الاحادیث اور الفوز الکبیر، شاہ صاحبؒ کی وہ عظیم تصانیف ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان میں قرآن فہمی کا ذوق پیدا ہوا، لوگوں کو کلام اللہ سے دلچسپی ہوئی، آج پورے برصغیر میں مختلف طریقوں سے خدمت قرآن کی جو دھوم مچی ہے اور قرآن فہمی کی جو بہار آئی ہوئی ہے وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ان ہی کارناموں کا ثمرہ ہے۔

﴿سوال (۵) الفوز الکبیر ص/ ۱۶﴾

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) عبارت کی تشریح کریں (ج) فن معاملات علم تدبیر منزل اور علم سیاست مدنیہ کی تعریف لکھتے ہوئے علوم خمسہ کا نام اور ان علوم کی تشریح کے ذمہ داران کا نام بھی تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

عبارت با اعراب: اَلْبَابُ الْاَوَّلُ فِیْ بَیَانِ الْعُلُوْمِ الْخَمْسَةِ الَّتِیْ یَدُلُّ عَلَیْهَا الْقُرْآنُ الْعَظِیْمُ نَصًّا لِیُعْلَمَ اَنَّ مَعَانِی الْقُرْآنِ الْمَنْصُوْصَةَ لَاتَخْرُجُ عَنْ خَمْسَةِ عُلُوْمٍ:

(۱) عِلْمُ الْاَحْکَامِ: وَهِیَ الْوَاجِبُ وَالْمَنْدُوْبُ وَالْمُبَاحُ وَالْمَکْرُوْهُ وَالْحَرَامُ؛ سَوَاءٌ کَانَتْ مِنْ قِسْمِ الْعِبَادَاتِ، اَوْمِنْ قِسْمِ الْمُعَامَلَاتِ، اَوْمِنْ تَدْبِیْرِ الْمَنْزِلِ اَوْ مِنَ السِّیَاسَةِ الْمَدَنِیَّةِ؛ وَتَفْصِیْلُ هٰذَا الْعِلْمِ مَنُوْطٌ بِذِمَّةِ الْفَقِیْهِ.

(الف) ترجمہ: پہلا باب ان پانچ علوم کے بیان میں ہے جن پر قرآن عظیم صراحۃً دلالت کرتا ہے: جاننا چاہیے کہ قرآن کریم کے صریح مضامین پانچ علوم سے باہر نہیں نکلتے ہیں۔

(۱) علم الاحکام: اور احکام سے مراد: واجب، مندوب، مباح، مکروہ ورحرام ہے، چاہے وہ (احکام) عبادتوں کے قبیل سے ہوں یا معاملات کے قبیل سے، یا تدبیر منزل سے (تعلق رکھتے ہوں) یا سیاست مدنیہ سے، اور اس علم کی تفصیل کرنا فقیہ کی ذات سے وابستہ ہے۔

(ب) عبارت کی تشریح:

یہاں سے علوم پنجگانہ کا اجمالی تذکرہ شروع کر رہے ہیں اس موقع پر دو مباحث قابل ذکر ہیں، (۱) علم الاحکام کی تقدیم کی وجہ (۲) احکام اور اس کے اقسام کی تعریفات وامثلہ۔

بحث اول: علم الاحکام کو اس حیثیت سے علوم پنجگانہ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ نزول قرآن، ارسال رسل بلکہ تخلیق جن وانس کا مقصد ہی احکام خداوندی کی اطاعت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وفرمانبرداری ہے بقیہ علوم اس مقصدِ اصلی کی تکمیل کے لیے مدد ومعاون کی حیثیت رکھتے ہیں گویا اہمیت تقدیم کا سبب بنی۔

بحث ثانی: احکام حکم کی جمع ہے جس سے حکم شرعی مراد ہے: وهو عبارة عن حكم الله تعالى المتعلق بافعال المتكلفين (كتاب التعريفات) یعنی باری تعالی کے وہ اوامر ونواہی بندوں کو جن کا پابند کیا گیا ہے، علم الاحکام سے مراد احکام عملیہ فرعیہ ہیں، بقرینة قول المصنف وتفصيل هذا العلم منوط بذمة الفقية خیال ہے کہ احکام علمیہ (عقائد) علم المخاصمہ کے ذیل میں داخل ہیں بقرینة قولہ وتفصيل هذا العلم منوط بذمة المتكلم.

علم الاحکام میں جن احکام کا ذکر کیا گیا ہے انہیں ہم اپنی نوعیت کے اعتبار سے تین قسموں پر تقسیم کرسکتے ہیں:

(۱) وہ احکام وقوانین جو خالص اللہ کے حقوق سے متعلق ہیں، جنھیں مختصر الفاظ میں خالص "عبادت" کہا جاسکتا ہے، اس میں طہارت، نماز، زکوۃ، روزہ، قربانی اور حج کے احکام داخل ہیں اور قرآن کریم نے ان چیزوں سے متعلق بنیادی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔

(۲) وہ احکام وقوانین جو خالص بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں، جنھیں ہم "معاملات" سے تعبیر کرسکتے ہیں مثلاً تجارت، قضاء، شہادت، امانت، گروی رکھنے، ذبیحہ جانوروں کو کھانے، مختلف مشروبات کے استعمال، وصیت اور میراث وغیرہ ان کے احکام خود قرآن کریم میں موجود ہیں۔

(۳) وہ احکام قوانین جو بعض حیثیت سے عبادت ہیں اور بعض حیثیات سے معاملہ اس نوع میں سے نکاح وطلاق، حدود وتعزیرات (Criminal Laws) دیانت قصاص (Torts) جہاد، ایمان، قسمیں اور شرکت کے احکام قرآن کریم نے ذکر فرمائے ہیں۔

قرآن کریم چونکہ دنیا کو ایک پاکیزہ نظام حیات دینا چاہتا ہے جس پر ہر زمانے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں عمل کر کے انسان امن وسکون پاسکیں، اس لیے اس نے اپنے احکام نافذ کرتے وقت "تدریجی انداز" اختیار کیا، یعنی کوئی غیر متوقع حکم یا یک نہیں دے دیا، بلکہ پہلے اپنے اس حکم کے لیے ذہنوں کو ہموار کیا اور بعد میں اسے نافذ فرمایا، اس کی ایک مثال شراب کی حرمت ہے، اہل عرب شراب کے ایسے متوالے تھے کہ ان کی زبان میں اس کے ڈھائی سو نام ہیں، ان سے اس خبیث عادت کو چھڑانا قرآن کریم ہی کا معجزہ ہے، جب شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کی حلت وحرمت کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھا گیا تو قرآن نے فوراً یہ نہیں فرمایا کہ اسے چھوڑ دو بلکہ ارشاد ہوا:

"قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما" (بقرہ: ۲۱۹) آپ کہہ دیجئے کہ ان (شراب اور جوے) میں بڑے نقصان ہے اور ان لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا نقصان ان کے نفع سے زیادہ بڑا ہے۔

سلیم الفطرت انسان اسی سے سمجھ گئے کہ اس چیز کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے پھر کچھ دنوں کے بعد حکم نازل ہوا:

"لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری" (نساء: ۴۳) نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

اب عام طور پر ذہنوں میں شراب کی ناپسندیدگی بیٹھ چکی تھی چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد واضح حکم نازل ہوگیا کہ:

"انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ" (مائدہ: ۹۰) بلاشبہ شراب، جوا، بت اور لاٹری کے تیر، گندگی کی چیزیں اور شیطان کا عمل ہیں، لہٰذا تم ان سے پرہیز کرو۔ (علوم القرآن ص/۳۱۹)

تعریفات:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

واجب: وہ حکم شرعی جس کا کرنا مطلوب اور چھوڑ نا ممنوع ہو کقولہ تعالی فی العبادات "اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ" قولہ تعالی "کتب علیکم الصیام" وفی المعاملات "اتوا الیتامی اموالهم" وقال تعالی "اتوا النساء صدقتهن نحلةً" وفی تدبیر المنزل "قوا انفسکم واهلیکم نارا" وفی السیاسة المدنیة: "السارق والسارقة فاقطعوا ایدهما" الآیة.

مندوب: وہ حکم شرعی ہے کہ جس کی تعمیل مطلوب ومحمود ہو لیکن ترک کی بھی اجازت ہو، جیسے: فکاتبوهم ان علمتم فیهم خیرا واتوهم من مال الله الذی اٰتاکم (النور) وکذا فی قوله تعالی "یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو" وکذا قوله "فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم" (نور) وکذا قوله تعالی "وان تصدقوا خیرلکم" (بقرہ).

مباح: وہ حکم ہے جس کا نہ فعل طلوب ہو نہ ترک بلکہ دونوں جہات اختیاری ہوں جیسے "واذا حللتم فاصطادوا،، وکذا وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتباً فرهن مقبوضة وکذا فمن تعجل فی یومین فلااثم علیه ومن تاخر فلا اثم علیه".

مکروہ: وہ حکم ہے جس کا ترک ہی محمود ہو اگر چہ جانب فعل کی بھی اجازت ہو، تتبع بلیغ وتلاش بسیار کے باوجود حکم مکروہ کی مثال تک ذہن کی رسائی نہ ہو سکی بلکہ اغلب یہ ہے کہ حکم مکروہ قرآن میں نہیں ہے۔ والله اعلم وفوق کل ذی علم علیم

حرام: جس کا کرنا ممنوع اور چھوڑ نا لزوماً مطلوب ہو جیسے: قل تعالوا اتل ما حرم علیکم ربکم ان لاتشرکوا به سیئاً (الآیۃ) وکذا حرمت علیکم المیتة والدم (الآیۃ) وقضی ربک ان لاتعبدوا الا ایا ہ وبالوالدین احسانا.

تدبیر منزل: خانگی اصلاح سے تعلق رکھنے والے تمام امور کا علم تدبیر منزل کہلاتا ہے ارسطو وابن سینا کے مطابق اس کے ارکان والدین، زوجین، اولاد اور خدام ومال ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

احکام تدبیر منزل کی مثال: (۱) اسکنوھن من حیث سکنتم (الأیة) (۲) وعاشروھن بالمعروف (۳) وصاحبھما فی الدنیا معروفا (۴) ولاتقل لھما اف.

سیاست مدنیہ: معاشرہ، سوسائٹی اور سماج سے تعلق رکھنے والے امور کا علم سیاست مدینہ کہلاتا ہے جس میں حدود خانہ سے لے کر حدود ملکی تک سارے انسانوں کے لیے مفید ضوابط واصول کا سوچنا سمجھنا داخل ہے، مثال، السارق والسارقة فاقطعوا الخ. (۲) انما جزاء الذین یحاربون الله ورسوله ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا اویصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلافٍ (۳) کتب علیکم القصاص الخ.

(ج) فن معاملات، علم تدبیر منزل اور علم سیاست مدنیہ کی تعریف:

فن معاملات: وہ علم ہے جس میں ترقی یافتہ تمدن یعنی شہری زندگی میں تبادلۂ اشیاء باہمی تعاون اور ذرائع معاش کو وجود میں لانے کی صورتوں سے بحث کی جاتی ہے۔

علم تدبیر منزل: وہ علم ہے جو ترقی یافتہ تمدن میں خاندانی تعلقات کی نگہداشت سے بحث کرتا ہے۔

علم سیاست مدنیہ: یعنی انتظام مملکت، یہ وہ فن ہے جس میں کسی ایک شہر یا ایک ملک کے لوگوں کے درمیان ربط وتعلق کو محفوظ رکھنے کے طریقوں سے بحث کی جاتی ہے۔

علوم خمسہ کی تشریح کے ذمہ داران کے نام:

علم الاحکام کے ذمہ داران فقہاء کرام، مفتیان عظام، اور قضاة فہام ہیں۔
علم المخاصمہ کے ذمہ داران متکلمین ومناظرین اسلام ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

علم التذکیرات کے ذمہ داران واعظین وناصحین ہیں۔

﴿سوال (۶) الفوز الکبیر ص/ ۱۷﴾

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب تحریر کریں (ج) جن علوم خمسہ پر قرآن صراحۃً دلالت کرتا ہے ان کو بالتفصیل قلم بند کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَإِنَّمَا وَقَعَ بَيَانُ هٰذِهِ الْعُلُوْمِ عَلٰى أُسْلُوْبِ الْعَرَبِ الْأَوَّلِيْنَ، لَاعَلٰى مِنْهَاجِ الْعُلَمَاءِ الْمُتَأَخِّرِيْنَ، فَلَمْ يَلْتَزِمْ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فِيْ آيَاتِ الْأَحْكَامِ اِخْتِصَارًا يَخْتَارُهُ أَهْلُ الْمُتُوْنِ، وَلَاتَنْقِيْحَ الْقَوَاعِدِ مِنْ قُيُوْدٍ غَيْرِ ضَرُوْرِيَّةٍ، كَمَا هُوَ صِنَاعَةُ الْأُصُوْلِيِّيْنَ.

(الف) ترجمہ: ان علوم (خمسہ) کا بیان متقدمین عربوں کے انداز بیان پر واقع ہوا ہے، نہ کہ متاخرین علماء کے نہج پر؛ چنانچہ اللہ تعالی نے آیات احکام میں ایسے اختصار کا التزام نہیں فرمایا جس کو اہل متون نے اختیار کیا ہے، نہ قواعد کو غیر ضروری قیودات سے نکھارنے کا التزام فرمایا ہے، جیسا کہ وہ اصولیوں کا طریقہ ہے۔

(ب) مطلب:

مصنف علامؒ نے علوم قرآنی کی تفسیر کا جو انداز اختیار کیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ علوم خمسہ گویا مستقل پانچ فن یا کم از کم پانچ ابواب ہیں اور جس دور میں رسالہ الفوز الکبیر کی تصنیف ہوئی ہے اس سے بہت پہلے سے کتابوں کو ابواب وفصول میں تقسیم کرنے کا دستور چلا آرہا تھا اس لیے منصف علامؒ کی تقسیم کے سامنے آتے ہی مبتدی کے ذہن کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اسی مروجہ تقسیم کی طرف منتقل ہونا اور قرآن کو اس سے خالی پا کر ذہنی انتشار کا شکار ہو جانا مستبعد نہیں، قرین قیاس تھا۔

دوسرے یہ کہ ایک انداز تو فقہ واصول فقہ کی کتابوں کا تھا جس کو یختارہ اھل المتون اور لاتنقیح القواعد الخ میں بیان کیا گیا ہے، دوسرا انداز مناطقہ کا تھا جس کی جانب اگلی عبارت لاطریق المنطقیین سے اشارہ کیا گیا ہے، فقہ واصول فقہ والے انداز کو علم الاحکام سے اور مناطقہ والے انداز کو علم المخاصمہ سے مناسبت بھی ہے اسی لیے اسلوب قرآن کے بارے میں یہ تصریح کرنی پڑی کہ فقہ ومنطق کے اسالیب متأخرین کی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ ہیں جس سے صرف خواص ہی مانوس ہیں لہذا قرآن متقدمین میں عرب کے سادہ اسلوب پر نازل ہوا جو خواص وعوام سب کے لیے یکساں مفید ہے۔

الغرض علوم خمسہ پیش کرنے میں اللہ تعالی نے متقدمین عربوں کا اسلوب بیان اختیار فرمایا ہے، اس لیے ان علوم کو پیش کرنے میں نہ کی ترتیب کا لحاظ فرمایا ہے، نہ ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے میں کسی مناسبت کا خیال فرمایا ہے، جیسا کہ متأخرین مصنفین کا طریقہ ہے، بلکہ جس بات کا بندوں کے سامنے پیش کرنا اہم سمجھا اس کو تقدیم وتاخیر کا لحاظ کیے بغیر ذکر فرمایا ہے، چنانچہ کہیں علم الاحکام سے سورت کا آغاز فرمایا ہے، تو کہیں علم التذکیر بآلاء اللہ سے سورت کو شروع فرمایا ہے، اسی طرح کہیں احکام کے بعد مخاصمہ کو مؤخر ذکر فرمایا ہے، تو کہیں احکام سے تذکیر کے مضامین کی طرف انتقال فرمایا ہے، اور اس کی حکمت شاہ صاحب نے تیسرے باب کی تیسری فصل میں بیان فرمائی ہے۔

(ج) علوم خمسہ کی تفصیل:

جمیع العلوم فی القرآن لکن تقاصرت عنه افهام الرجال

(تمام علوم قرآن پاک میں موجود ہیں لیکن لوگوں کے ذہن اس کے ادراک سے قاصر ہیں)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن پاک میں بے شمار علوم ہیں لیکن جو علوم قرآن پاک میں صراحۃً بیان کیے گئے ہیں وہ کتنے ہیں؟ اس میں علماء کرام کی رائیں مختلف ہیں، قاضی ابوبکر بن العربی کہتے ہیں کہ وہ تین ہیں: (۱) توحید (۲) تذکیر (۳) اور احکام، اور ابن جریر طبری کے نزدیک بھی تین ہیں، مگر وہ تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں: (۱) توحید (۲) اخبار (۳) اور دیانات، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ چار ہیں: (۱) امر (۲) نہی (۳) خبر (۴) اور استخبار، اور کسی نے کہا کہ چھ ہیں: (۱) امر (۲) نہی (۳) خبر (۴) استخبار (۵) وعدہ (۶) اور وعید۔

مگر اس بارے میں سب سے بہتر اور عمدہ بات وہ ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے ارقام فرمائی ہے کہ جو علوم قرآن پاک میں صراحۃً بیان کیے گئے ہیں وہ کل پانچ ہیں: (۱) علم الاحکام (۲) علم الجدل (۳) علم التذکیر بآلاء الله (۴) علم التذکیر بایام الله (۵) اور علم التذکیر بالموت و مابعده.

(۱) علم الاحکام:

قرآن کریم ایک ایسا نظام حیات پیش کرتا ہے، جس پر عمل کرکے انسان دنیا و آخرت میں امن وسکون اور فلاح وکامیابی پاسکتا ہے، قرآن کریم زندگی کے تمام شعبوں میں بندوں کی رہنمائی کرتا ہے، اور ضروری ہدایات واحکام دیتا ہے؛ خواہ ان احکام کا تعلق عبادت سے ہو؛ یا معاملات سے، خواہ ان کا تعلق تدبیر منزل سے ہو یا سیاست مدنیہ سے۔ اس مضمون کی آیتوں کو ”آیات احکام“ کہا جاتا ہے، اور ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام ”علم الاحکام“ ہے، ان آیتوں کی تشریح کرنا فقہاء کرام کی ذمہ داری ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) علم الجدل:

قرآن کریم نے یہود ونصاری اور مشرکین ومنافقین کی بہت سی گمراہیوں اور بداخلاقیوں کا رد فرمایا ہے؛ اور ان کے شبہات کا تشفی بخش جواب دیا ہے، اس مضمون کی آیتوں کو ''آیات جدل اور آیات مخاصمہ'' کہتے ہیں، اور ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام ''علم الجدل'' ہے، ان آیتوں کی مکمل وضاحت کرنا متکلمین کی ذمہ داری ہے۔

(۳) علم التذکیر بآلاء اللہ:

قرآن کریم جگہ جگہ بندوں کو اللہ تعالی کی نعمتیں یاد دلاتا ہے تاکہ لوگ اللہ کے شکر گزار بندے بنیں، نیز قرآن کریم میں اللہ تعالی کی صفاتِ کاملہ کا بکثرت تذکرہ کیا گیا ہے، تاکہ لوگ اللہ تعالی کو اچھی طرح پہچان کر اس کی عبادت شوق ورغبت سے کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، جن آیتوں میں اللہ تعالی کی نعمتوں اور صفات کاملہ کو بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام علم التذکیر بآلاء اللہ ہے۔

علم التذکیر بأیّام اللہ:

أیّام یوم کی جمع ہے اور أیّام اللہ سے مراد وہ واقعات ہیں جن کو اللہ تعالی نے اطاعت شعار بندوں کو نوازنے اور نافرمانوں کو سزا دینے کی غرض سے ظاہر فرمایا ہے، مثلاً انبیاء کرام اور ان کی نافرمان قوموں کے قصے، اور دیگر نافرمان اور فرماں بردار بندوں کے واقعات جو قرآن پاک میں بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد تاریخی احوال بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ قرآن پاک ان واقعات سے تذکیر وموعظت کا سامان مہیا کرتا ہے، تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں، اور ان لوگون کی پیروی نہ کریں جو آفت خداوندی میں ہلاک وبرباد ہوئے ہیں، بلکہ ان لوگوں کے نقش قدم پر چلیں جو رحمت خداوندی سے سرفراز

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوئے ہیں، جن آیتوں میں یہ واقعات اور قصے بیان کیے گئے ہیں یا جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کی تفصیلات کے مجموعہ کا نام "علم التذکیر بأیّام الله" ہے۔

(۵)علم التذکیر بالموت ومابعده:

موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات بھی قرآن پاک میں بکثرت ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً موت کی سختیاں، جنت کی نعمتیں، دوزخ کی سزائیں اور قیامت کی ہولناکیاں بیان کرکے نصیحت کی گئی ہے، ان آیتوں کی تفصیلات کا نام "علم التذکیر بالموت ومابعده" ہے۔

آخر تینوں علوم کی آیتوں کو 'آیات تذکیر' کہا جاتا ہے، ان علوم ثلاثہ کی تشریح کرنا، اور ان علوم ثلاثہ سے تعلق رکھنے والی احادیث اور آثار کو ذکر کرنا مذکرین اور واعظین کا کام ہے۔

فائدہ(۱):

یہاں سے علوم پنجگانہ کا اجمالی تذکرہ شروع کر رہے ہیں اس موقع پر دو مباحث قابل ذکر ہیں، (۱)علم الاحکام کی تقدیم کی وجہ (۲)احکام اور اس کے اقسام کی تعریفات وامثلہ۔

بحث اول:

علم الاحکام کو اس حیثیت سے علوم پنجگانہ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ نزول قرآن ، ارسالِ رُسل بلکہ تخلیق جن وانس کا مقصد ہی احکام خداوندی کی اطاعت وفرمانبرداری ہے بقیہ علوم اس مقصد اصلی کی تکمیل کے لیے مدومعاون کی حیثیت رکھتے ہیں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

گویا اہمیت تقدیم کا سبب بنی۔

فائدہ (۲):

بحث اول: ان علوم کی موجودہ ترتیب کا راز؟ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ دفع مضرت کو جلبِ منفعت پر تقدم حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ فرقِ ضالہ کی تردید اور ان کے عقائد باطلہ کا ابطال دفع مضرت کے درجہ میں ہے لہذا علم المخاصمہ کو حق تقدم حاصل ہے، اس کے بالمقابل علم التذکیر کا مقصد ترہیب وترغیب کے ذریعہ جذبۂ عمل پیدا کرنا ہے، جسے جلب منفعت، ہی کہنا چاہیے، لہذا اس کے حصہ میں تاخر آیا پھر تذکیر کے انواع میں وضوع وخفا کے پیش نظر ترتیب قائم کی گئی ہے۔

خداوند قدوس کی عنایات اظہر من الشمس ہیں لہذا تذکیر بآلاء اللہ کو سب سے مقدم کیا اور تعذیب وتنعیم کے واقعات پر تاریخ کا ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ہے جس کے لیے کسب وتصدیق کی ضرورت ہے لہذا تذکیر بایام اللہ کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا گیا، اس کے بالمقابل ''معاد'' پردۂ غیب میں مستور ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ مخفی ہے لہذا تذکیر بالمعاد کو سب سے مؤخر کردیا گیا، هذا ما عندی وللناس فیما یعشقون مذاهب.

نوٹ:

ام القرآن یا خلاصۃ القرآن یعنی سورۂ فاتحہ میں معمولی غور وفکر کرکے بخوبی یہ جانا جاسکتا ہے کہ سورہ فاتحہ میں یہ پانچوں مضامین واضح طور پر موجود ہیں۔ فتدبر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال (۷) الفوز الکبیر ص/ ۱۸

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مشہورات مسلمہ، خطابیات نافعہ اور براہین کی مراد واضح کرتے ہوئے مطلب لکھئے (ج) بتائیں کہ اللہ تعالی مصنفین اور ادباء کی ترتیب کا انداز اختیار کیوں نہیں کیا؟

الجواب

عبارت با اعراب: وَاخْتَارَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی فِيْ آيَاتِ الْمُخَاصَمَةِ إِلْزَامَ الْخَصْمِ بِالْمَشْهُوْرَاتِ الْمُسَلَّمَةِ وَالْخِطَابِيَّاتِ النَّافِعَةِ لَاتَنْقِيْحَ الْبَرَاهِيْنَ عَلٰی طَرِيْقَةِ الْمَنْطِقِيِّيْنَ؛ وَلَمْ يُرَاعِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی الْمُنَاسَبَةَ فِي الْاِنْتِقَالِ مِنْ مَوْضُوْعٍ إِلٰی مَوْضُوْعٍ، كَمَا يُرَاعِيْهَا الْأُدَبَاءُ الْمُتَأَخِّرُوْنَ؛ بَلْ نَشَرَ كُلَّ مَا أَهَمَّ إِلْقَاؤُهُ عَلَی الْعِبَادِ، سَوَاءٌ كَانَ مُقَدَّماً أَوْ مُؤَخَّرًا۔

ترجمہ: اور اللہ سبحانہ وتعالی نے آیات مخاصمہ میں مشہور مسلمہ باتوں اور نفع بخش خطابیات کے ذریعہ فریق مخالف کی تردید کو پسند فرمایا ہے، منطقیوں کے طریقہ پر براہین کے نکھارنے کو پسند نہیں فرمایا، اور اللہ تعالی نے ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہونے میں مناسبت کا (بھی) لحاظ نہیں فرمایا، جس طرح متاخرین مصنفین مناسبت کا لحاظ کرتے ہیں، بلکہ ہر اس بات کو بیان فرمایا ہے جس کا بندوں کے سامنے پیش کرنا اہم سمجھا ہے، خواہ وہ مقدم ہو یا مؤخر۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) مشهور مسلمہ، خطابیات نافعہ اور براھین کی مراد:

"مشہورات" اسم مفعول یعنی صیغہ صفت ہے، واحد: مشہور بمعنی معروف، ہر صیغہ صفت کا کوئی نا کوئی موصوف ہوتا ہے، خواہ وہ موصوف عبارت میں مذکور ہو یا محذوف، لہذا اصل القضایا المشہورۃ ہے (مشہور قضایا)۔

قضایا کی دو قسمیں ہیں: ایک قضایا مشہورہ۔ دوسرا: قضایا مسلمہ، (اس دوسری قسم کو مشہور مسلم بھی کہا جاتا ہے۔

قضایا مشہورہ: وہ قضایا جو تمام لوگ یا اکثر لوگوں یا کسی مخصوص جماعت کے نزدیک مشہور ہوں، جیسے: العدل حسن والظلم قبیح، تمام لوگوں کے نزدیک مشہور ہے۔

الألٰه واحد: اکثر لوگوں کے یہاں مشہور ہے، اور الفاعل مرفوع ایک مخصوص جماعت یعنی نحویین کے وہاں مشہور ہے۔

قضایا مسلمہ: وہ قضایا جو مخالف وموافق سب کے نزدیک مسلم ومعتبر ہوں، جیسے: اللہ خالق السموات والارض. یہ قضایا تمام ادیان کے وہاں مسلم ہیں۔

اسی طرح یہود ونصاری کے دعوی "نحن ابناء اللہ واحبائہ" کی تردید میں باری تعالی کا ارشاد: "فلم یعذبکم بذنوبکم" اس تردید کا مدار قضیہ، تعذیب الأولاد والأحباء ممنوع ہے جو تمام لوگوں کے نزدیک مسلم ہے۔

خطابیات: واحد خطابیّۃ جو خطابی کا مونث ہے، خطابہ کی طرف منسوب ہے اور خطابۃ مصدر ہے، خطب (ن) خُطبۃً وخطباً وخطابۃ: وعظ کہنا، تقریر کرنا، لیکچر دینا، خطابۃ اور خطابی میں خا پر فتح ہے، کسرہ نہیں اور کتابی کے مقابلہ میں جو خطابی ہے اس کی خا پر کسرہ ہے۔

اصطلاح میں خطابیات: وہ قضایا اور دلائل جو مقبول ومظنون مقدمات سے مرکب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوں، جیسے بزرگوں کے اقوال وملفوظات۔

براھین: واحد برھان، بمعنی واضح دلیل، اصطلاح میں برھان وہ قیاس جو مقدمات یقینیہ وقطعیہ سے مرکب ہو، خواہ وہ مقدمات بدیہی ہوں یا نظری، جیسے: مثلاً محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا رسول ہونا اور ہر رسول کا واجب الاطاعت ہونا یقینی باتیں ہیں ان دو یقینی باتوں سے ایک تیسری بات "محمد رسول اللہ کا واجب الاطاعت ہونا" اگر ثابت کیا جائے تو استدلال کو برہان یا قیاس برہانی کہیں گے قرآن میں ہے محمد رسول اللہ اور دوسری جگہ ہے: وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله. ان دونوں قضیوں سے ثابت ہوتا ہے، وما ارسلنا محمداً الا لیطاع باذن الله ۔

برہان کی دو قسمیں ہیں: لِمّی، اِنّی۔

لِمّی: وہ قیاس برہانی ہے جس کا حد اوسط حکم کے لیے واقعی علت ہو جیسے: مذکورہ مثال میں "رسول" ہونا۔

برھان اِنّی: وہ قیاس ہے جس کا حد اوسط واقعۃً حکم کی علت نہ ہو لیکن اس کو قیاس میں علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہو جیسے: تصدیق رسالت سے انحراف کے لیے" ان انتم الا بشر مثلنا" میں رسول کی بشریت یا احتیاج کو علت بنانا۔

مطلب:

عام طور پر مصنفین کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی کتاب میں جن مضامین کو ذکر کرنا چاہتے ہیں ان کی تقدیم وتاخیر میں کس خاص مناسبت کو ملحوظ رکھ کر ابواب وفصول قائم کرتے ہیں پھر قابل تقدیم مضمون کی تمام مباحث کو یکجا ذکر کرنے کے بعد ہی کسی دوسرے مضمون کو ہاتھ لگاتے ہیں، مثلاً فقہاء کرام عموماً کتاب الطہارت کو "اہم العبادات" "نماز" کا موقوف علیہ ہونے کی حیثیت سے" مقدم کرتے ہیں تو اس کے متعلق جو کچھ لکھنا ہوتا ہے کتاب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الطہارت ہی میں لکھ دیتے ہیں، پھر اہم الامور کی حیثیت سے نماز کا مفصل بیان کرتے ہیں اور خالص بدنی عبادت (نماز) کے بعد خالص مالی عبادت (زکوۃ) کو بیان کرنے کا معمول ہے، یہ خصوصی مناسبتیں ہیں جن کا لحاظ سبھی مصنفین کرتے ہیں، نتیجہ میں کتاب الطہارت تمام ابواب پر اور کتاب الصلوۃ کتاب الزکاۃ سے لازمی طور پر مقدم ہوتی ہے، رب العالمین کی کتاب حکیم میں ایسی مناسبت اور وجہ تقدیم کسی بھی مضمون میں ملحوظ نہیں چنانچہ کہیں علم المخاصمہ مقدم ہے کہیں علم التذکیر اور کہیں علم الاحکام، یہ سلسلہ سورتوں کے بیچ میں بھی ہے اور اوائل میں بھی۔ فتامل

گویا اس عبارت میں صرف یہ بتانا ہے کہ علوم پنجگانہ کے بیان میں تقدیم وتاخیر کے لیے کوئی اصولی مناسبت کارفرما نہیں ہے بلکہ رب العالمین نے جس موقع پر جس علم کی تقدیم کو اہم ومفید سمجھا اسی کو مقدم کردیا، رہا مسئلہ آیات قرآن کے درمیان باہمی ربط وتناسب کا تو اس سے یہاں بحث نہیں نہ مصنف علامؒ کو اس سے انکار ہے جیسا کہ ”فتح الرحمان“ میں جابجا ربط آیات کا بیان شاہد عدل ہے۔

فائدہ: ایک غلط فہمی کا ازالہ:

مذکورہ عبارت میں شاہ صاحب آیتوں کے درمیان جو باہم ربط اور مناسبت ہے اس کی نفی کرنا نہیں چاہتے، کیوں کہ خود شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ قرآن ”فتح الرحمٰن“ میں آیتوں کے درمیان مناسبت کو واضح فرمایا ہے، بلکہ شاہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح مصنفین فن کے مباحث کو خاص ترتیب سے بیان کرتے ہیں اور ایک مبحث سے دوسرے مبحث کی طرف منتقل ہونے میں مناسبت کا پورا خیال کرتے ہیں، مثلاً فقہائے کرام فقہ کی کتابوں کا آغاز کتاب الطہارت سے کرتے ہیں، اور طہارت کے احکام بیان کرنے کے بعد نماز کے مسائل ذکر کرتے ہیں، زکوۃ کے مسائل بیان نہیں کرتے، کیونکہ طہارت اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نماز کے درمیان مناسبت ہے، اور زکوۃ کا طہارت سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر نماز کے مسائل بیان کرنے کے بعد زکوۃ کے مسائل ذکر کرتے ہیں کیوں کہ قرآن کریم میں ۳۱ جگہ نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر آیا ہے پھر روزوں کا پھر حج کا تذکرہ کرتے ہیں الخ۔

اسی طرح تمام مصنفین فن کے مباحث کو مقدم اور مؤخر ذکر کرنے میں مناسبت کا پورا خیال کرتے ہیں، اس طرح اللہ تعالی نے مباحثِ احکام اور تذکیر کے مضامین کو ذکر کرنے میں مناسبت کا خیال نہیں فرمایا، بلکہ تقدیم وتاخیر کا لحاظ کے بغیر جو بات اہم سمجھی اس کو بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح پہلے شاہ صاحب نے جو فرمایا ہے: ''اللہ تعالی نے آیات مخاصمہ میں مشہور مسلمہ باتوں اور خطابی دلیلوں سے فریق مخالف کی تردید فرمائی ہے، منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب کو پسند نہیں فرمایا''، اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ اہل باطل کی تردید براہین سے نہیں کی گئی ہے صرف مشہورات مسلمہ اور خطابیات سے کی گئی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب وتنقیح فرما کر شکل اول یا شکل ثانی وغیرہ کی صورت میں پیش کرنے کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ سادہ اور عام فہم انداز میں براہین کو ذکر کیا ہے، تاکہ ہر شخص آسانی سے بات سمجھ سکے، اگر منطقیوں کی طرح براہین کی تہذیب وتنقیح کی جاتی تو قرآن پاک کے اولین مخاطبین کے لیے بات کا سمجھنا دشوار ہو جاتا کیوں کہ وہ منطق سے بالکل نا آشنا تھے۔

(ج) اللہ تعالی نے مصنفین اور ادباء کی ترتیب کا انداز کیوں اختیار نہیں کیا:

قرآن میں تصنیفی انداز کیوں نہیں اختیار کیا گیا؟ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن حکیم پانچ بنیادی علوم پر مشتمل ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان پانچ علوم کے مباحث اور مقاصد پورے قرآن میں بے ترتیب انداز میں کیوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پھیلے ہوئے ہیں، ان کو ترتیب وار کیوں نہیں بیان کیا گیا، مثلاً پہلے "آلاء اللہ" کو تفصیل سے بیان کر دیا جاتا ہے پھر "ایام اللہ" کو تفصیل سے بیان کر دیا جاتا ہے، اسی طرح باقی تینوں علوم کو بھی الگ الگ تفصیل سے پیش کر دیا جاتا ہے؟

جواب یہ ہے: کہ یہ طریقہ مصنفین و مؤلفین کا ہے اور قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب تصنیف و تالیف کے طریقوں سے واقف نہیں تھے، ان کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب تھی نہ انسانی، اب اگر ان کے مانوس اسلوب سے ہٹ کر ان کے ذوق و فہم کے خلاف قرآن نازل کیا جاتا تو ان کو اس ترتیب سے وحشت ہوتی اور سمجھنے میں الجھن پیش آتی، اسی لیے کتابوں اور تصنیفی انداز اختیار نہیں کیا گیا، نیز علوم خمسہ کو ترتیب وار بیان نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نزول قرآن کا مقصد صرف یہ نہیں کہ لوگوں کو کچھ نامعلوم باتیں بتلادی جائیں بلکہ ذہنوں میں اس کے مضامین و مقاصد کو بٹھلانا اور تربیت بھی کرنا ہے اور یہ مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب کہ کلام تصنیفی انداز میں مرتب نہ ہو بلکہ بار بار ایک ہی بات موقع و محل کی مناسبت سے مختلف پیرائے اور اچھوتے انداز میں بیان کی جائے۔

سوال (۸) الفوز الکبیر ص/۱۹

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھئے (ج) ملت ابراہیمیہ کے شعائر، شرائع اور عقائد کو تفصیل سے بیان کریں (د) مشرکین کی اہم گمراہیاں لکھنے کے بعد شرک کے اقسام بھی لکھئے۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَقَدْ كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يُسَمُّوْنَ أَنْفُسَهُمْ حُنَفَاءَ وَيَدَّعُوْنَ التَّدَيُّنَ بِمِلَّةِ سَيِّدِنَا إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ؛ وَإِنَّمَا يُقَالُ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

"اَلْحَنِيْفُ" لِمَنْ تَدَيَّنَ بِالْمِلَّةِ الْإِبْرَاهِيْمَةِ، وَالْتَزَمَ شِعَارَهَا.

ترجمہ: مشرکین اپنے آپ کو "حنفاء" کہتے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب اپنانے کا دعوی کرتے تھے، اور "حنیف" اسی کو کہا جاتا ہے جس نے شریعت ابراہیمی کو اپنایا ہو، اور اس کے شعائر کو لازم پکڑا ہو۔

(ب) مطلب:

کسی بھی فرقہ کی تردید کو کما حقہ سمجھنے کے لیے اس کے احوال کا جننا ضروری ہے، اس لیے شاہ صاحب پہلے مشرکین عرب کے کچھ احوال ذکر فرماتے ہیں:

مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین و مذہب کو مانتے تھے اور اس کے شعائر پر کاربند تھے، اسی لیے وہ اپنے آپ کو "حُنَفَاء" کہتے تھے، "حنیف" اس کو کہا جاتا ہے جو ملت ابراہیمی کا پیرو اور اس کے شعائر کا پابند ہو، نیز مشرکین عرب ملت ابراہیمی میں جو اعمال حسنہ تھے ان کو اچھا، اور جو کام حرام تھے ان کو برا سمجھتے تھے، مگر میدان عمل میں خواہشات نفس کی پیروی کرتے تھے، چنانچہ اکثر مشرکین اعمال صالحہ کے تارک اور حرام کاموں کے ارتکاب میں بے باک تھے، نیز مشرکین عرب، ملت ابراہیمی کے عقائد کو بھی فی الجملہ تسلیم کرتے تھے، ان پر ان کے اشعار دلالت کرتے ہیں، مگر جمہور مشرکین شکوک وشبہات کی وجہ سے ان عقائد کو بعید سمجھتے تھے، اور طرح طرح کی گمراہیوں اور بداعمالیوں میں مبتلا تھے۔

ملت ابراہیمی کے شعائر:

شعائر؛ شعیرۃ کی جمع ہے، اور شعیرۃ کے لغوی معنی ہے: علامت، اور شعائر کے اصطلاحی معنی ہیں: وہ امتیازی باتیں جن سے کسی ملت کی پہچان ہو، اور ملت ابراہیمی کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شعائر یہ ہے: بیت اللہ شریف کا حج کرنا، نماز میں اس کی طرف چہرہ کرنا، جنابت لاحق ہونے پر غسل کرنا، ختنہ کرنا، مونچھیں پست کرنا، ڈاڑھی رکھنا، مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا، ناخن تراشنا، بدن کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، زیر ناف کو مونڈنا، پانی سے استنجاء کرنا، قابل احترام مہینوں اور مسجد حرام کی تعظیم کرنا، نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام سمجھنا، حلق میں ذبح کرنا، سینہ کے بالائی حصہ میں نحر کرنا، ذبح اور نحر کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کرنا، خصوصاً ایام حج میں قربانی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنا وغیرہ۔

ملت ابراہیمی کے شرائع:

جب یہ بات آپ نے جان لی کہ مشرکین عرب میں ملت ابراہیمی کے تمام شعائر رائج تھے، تو اب یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ملت ابراہیمی میں جو کام مشروع تھے یعنی وضو، نماز، زکوۃ، اور صبح صادق سے غروب آفتاب تک روزہ رکھنا، یتیموں اور مسکینوں پر صدقہ کرنا، آفات سماوی میں لوگوں کی مدد کرنا، مسافروں اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا، صلہ رحمی کرنا وغیرہ، ان کو اگر چہ اکثر مشرکین نہیں کرتے تھے مگر ان کو اچھا سمجھتے تھے اور جو شخص ان کاموں کو کرتا تھا اس کی تعریف کرتے تھے، اسی طرح ملت ابراہیمی میں جو کام حرام تھے یعنی قتل، چوری، زنا، سود اور غصب وغیرہ، ان کو اگر چہ اکثر مشرکین کرتے تھے، مگر فی الجملہ ان کو برا سمجھتے تھے، اور جو شخص ان کاموں کو کرتا تھا اس کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ:

''حکمائے عرب بھی وضو کیا کرتے تھے، اور ان میں کچھ لوگ نماز بھی پڑھتے تھے، حضرت ابوذر غفاریؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے تین سال سے نماز پڑھا کرتے تھے اور قس بن ساعدہ ایادی بھی نماز پڑھتے تھے''۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ملت ابراہیمیہ کے عقائد:

جس طرح مشرکین عرب ملت ابراہیمی کے احکام کو فی الجملہ (کسی درجہ میں) مانتے تھے، اسی طرح ملت ابراہیمی کے عقائد کو بھی فی الجملہ تسلیم کرتے تھے، چنانچہ وہ اللہ کے وجود کو تسلیم کرتے تھے، اور یہ بھی مانتے تھے کہ زمین اور بلند آسمانوں کو اسی نے پیدا کیا ہے، اور وہی بڑے بڑے حوادث کا مدبر ہے، اور پیغمبروں کو بھیجنے اور بندوں کو ان کے اعمال کی جزاء وسزا دینے پر قادر ہے، اسی طرح تقدیر الٰہی کو بھی فی الجملہ مانتے تھے، اور فرشتوں کو اللہ کے مقرب بندے اور لائق تعظیم سمجھتے تھے، چنانچہ جاہلی شعراء کے اشعار ان تمام عقیدوں پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اکثر مشرکین ان عقیدوں کو بعید سمجھتے تھے، اور ان کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا تھے۔

(ج) مشرکین کی اہم گمراہیاں:

ملت ابراہیمی کے عقائد: خالق کائنات سبحانہ وتعالی کے وجود کا عقیدہ، اور یہ (عقیدہ) کہ وہی بلند آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں، اور وہی بڑے بڑے حوادثات کی تدبیر اور انتظام کرنے والے ہیں اور یہ (عقیدہ) کہ وہ رسولوں کے بھیجنے پر، اور بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دینے پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور وہ بڑے بڑے حوادثات کو رونما ہونے سے پہلے فیصلہ کرنے والے ہیں، اور یہ (عقیدہ) کہ فرشتے اس کے مقرب بندے ہیں، اور تعظیم کے مستحق ہیں، یہ سب عقیدے ان کے نزدیک ثابت تھے، اور اس (کے ثبوت) پر ان کے اشعار دلالت کرتے ہیں، لیکن اکثر مشرکین ان عقیدوں کے پیش نظر بہت سے شکوک وشبہات میں مبتلا تھے، ان کو بعید سمجھنے کی وجہ سے؛ اور ان کے علم وادراک سے الفت ورغبت نہ ہونے کی وجہ سے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مطلب: مشرکین عرب اگرچہ حنفاء یعنی ملت ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر اس کے باوجود شرک اور تشبیہ کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، ملت ابراہیمی میں تحریف اور آخرت کا انکار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کی رسالت کو بعید اور من گھڑت باتوں کو دین سمجھتے تھے، برے کاموں اور ظلم وزیادتی میں بے باک اور عبادتوں کو ملیامیٹ کرنے والے تھے۔

(د) شرک کے اقسام:

اللہ تعالی کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک اور حصہ دار ماننے کو شرک کہتے ہیں، اور شرک کرنے والے کو مشرک کہتے ہیں، مشرک اور کافر کی کبھی مغفرت نہیں ہوگی ہمیشہ جہنم میں رہے گا ارشاد ہے:

"ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد ضل ضلالاً بعيداً" بے شک اللہ تعالی اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لیے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے اور جو شخص اللہ تعالی کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

شرک فی الذات:

شرک فی الذات کا معنی یہ ہے کہ ایک سے زائد خدا ماننے، جیسے: عیسائی تین خدا (اب، ابن، روح القدس) مانتے ہیں اور مجوسی (آتش پرست) دو خدا (یزداں اور اَہرَمَن) مانتے ہیں اور ہندو بہت سے خدا مانتے ہیں یہ سب کے سب مشرک ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شرک فی الصفات:

شرک فی الصفات کا مطلب یہ کہ کہ اللہ تعالی کی مخلوقات میں سے کسی مخلوقات کو خواہ وہ فرشتہ ہو یا نبی ولی ہو یا پیر وشہید اللہ تعالی کی کسی صفت میں شریک کرنا مثلاً یہ کہ وہ ذرہ ذرہ کی خبر رکھتے ہیں، حاضر وناظر ہیں، دور ونزدیک سے ہماری باتیں سنتے ہیں، ہمارے سجدوں اور نذر ونیاز کے مستحق ہیں، وہ ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں، نفع ونقصان کا اختیار رکھتے ہیں وغیرہ۔

شرک فی الصفات کی بہت سی قسمیں ہیں، ہم یہاں چار قسمیں (اشراک فی العلم، اشراک فی التصرف، اشراک فی العبادت، اشراک فی العادت) کو بیان کر رہے ہیں ان چاروں طرح کے شرک کا قرآن میں صریح ذکر ہے باقی شرکیات کو انہی پر قیاس کرلیں۔

اشراک فی العلم:

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی ہی عالم الغیب والشہادۃ ہے ہر جگہ حاضر وناظر رہنا اور ہر چیز کی خبر ہر وقت برابر رکھنا، دور ہو یا نزدیک چھپی ہوئی ہو یا کھلی، اندھیرے میں ہو یا اجالے میں، آسمان میں ہو یا زمین میں، پہاڑوں کی چوٹی پر ہو یا سمندر کے تہہ میں یہ اللہ ہی کی شان ہے اور کوئی اس کی شان میں شریک نہیں اور کسی نبی وولی کو اس کی صفتِ علم میں شریک کرنا اور اللہ تعالی کے علم جیسا علم کسی اور کے لیے ثابت کرنا اشراک فی العلم کہلاتا ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہو جاتا ہے خواہ یہ سمجھ کر یہ عقیدہ رکھے کہ اس کو اللہ تعالی کے جیسا علم ذاتی طور پر حاصل ہے یا خدا کا بخشا ہوا ہے۔

اشراک فی التصرف:

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ کائنات میں تصرف اور اس کی تدبیر کا اختیار صرف

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اللہ تعالیٰ کو ہے، عالم میں اپنے ارادہ سے تصرف کرنا اور اپنا حکم جاری کرنا، اور اپنی خواہش سے مارنا جلانا، روزی میں فراخی اور تنگی کرنا، اور تندرست و بیمار کرنا، فتح و شکست دینا، اقبال وادبار دینا، مرادیں پوری کرنا، حاجتیں برلانا، بلائیں ٹالنا، مشکل میں دستگیری کرنا، یہ سب اللہ ہی شان ہے، کسی فرشتہ وجن اور نبی وولی اور پیر و شہید وغیرہ کی یہ شان نہیں لہذا کسی کے لیے ایسا تصرف اور ایسا اختیار ثابت کرنا شرک ہے، اور اس کو "اشراک فی التصرف" کہتے ہیں، ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے خواہ یہ سمجھ کر یہ عقیدہ رکھے کہ اس کو کائنات میں تصرف کا اختیار ذاتی طور پر حاصل ہے یا یہ عقیدہ رکھے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے مکمل تصرف کے اختیار دے رکھے ہیں۔

اشراک فی العبادۃ:

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود و مقصود نہیں لہذا کسی کے سامنے انتہائی عجز و درماندگی کا اظہار اور اس کی ایسی تعظیم ہرگز نہ کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے، جس کو عبادت کہتے ہیں، کیونکہ کسی کی اللہ تعالیٰ جیسی تعظیم کرنا اور اس کے سامنے انتہائی ذلت کا ظاہر کرنا "اشراک فی العبادۃ" کہلاتا ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے، خواہ یہ حرکت یہ سمجھ کر کرے کہ وہ ہستی بذات خود اس تعظیم کے لائق ہے یا یہ سمجھ کر کرے کہ اس کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اس کی تعظیم کی برکت سے اللہ تعالیٰ مشکلات و مصائب کو دور کر دیتا ہے، جیسے کسی کو سجدہ یا رکوع کرنا یا کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

اشراک فی العادۃ:

اسلام کی بنیادی تعلیم ہے کہ اپنے دنیا کے معاملات اور کاموں میں بھی اللہ ہی کو یاد رکھا جائے اور اسی کی ہر طرح تعظیم کی جائے، اس کے علاوہ کسی اور سے دنیا کے کاموں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں وہ معاملہ کرنا جو اللہ تعالی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اسی طرح کی تعظیم کرنا ''اشراک فی العادۃ'' کہلاتا ہے، دنیا کے کاموں میں جو تعظیم کا معاملہ اور سلوک اللہ تعالی کے ساتھ کرنا چاہیے وہ غیر اللہ کے ساتھ کرنے والا مشرک ہے، مثلاً مشکلات میں اللہ کو پکارنا، اس کی نذر ماننا، ہر کام کی ابتداء اس کے نام سے کرنا، بچہ پیدائش پر اس کے شکر میں جانور ذبح کرنا، اور اس کا کوئی اچھا سا نام مثلاً: عبد اللہ یا عبد الرحمٰن وغیرہ رکھنا، کھیت باغ کی پیداوار میں تھوڑا بہت اسی کے نام کا نکالنا، کھانے پینے پہننے میں اس کے حکم پر چلنا، اور جو برائی بھلائی دنیا میں پیش آتی ہے سب کو اسی کی طرف سے سمجھنا، کسی کام کے ارادہ کے وقت ان شاء اللہ کہنا، یعنی اگر اللہ چاہے تو ہم فلاں کام کریں گے، اور ضرورت پر اسی کے نام کی قسم کھانا، غرض ہر ایسے دنیوی معاملات وعادات میں صرف اللہ کا نام لینا اور اسی کی عظمت، محبت اور شکر وسپاس کا اظہار کرنا، دین وایمان کا تقاضا ہے، اب اگر اس کے بجائے کوئی شخص کسی نبی ولی، امام وشہید وغیرہ کی اس قسم کی تعظیم کرے جیسے آڑے کام پر ان کی نذر مانے، مشکل کے وقت ان کو پکارے، بسم اللہ کی جگہ ان کا نام لے، جب اولاد ہو ان کی نذر ونیاز کرے، اور اپنی اولاد کا نام عبد الغنی، امام بخش، پیر بخش، حسین بخش وغیرہ مشرکانہ نام رکھے۔

﴿سوال (۹) الفوز الکبیر ص/۲۱﴾

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) شرک، تشبیہ اور تحریف کی وضاحت کریں (د) مخاصمہ کتنے طریقے پر واقع ہے اور کیا کیا؟

الجواب

عبارت با اعراب: وَكَانَ مِنْ ضَلَالِهِمْ: اَلشِّرْكُ، وَالتَّشْبِيْهُ، وَالتَّحْرِيْفُ، وَجُحُوْدُ الْآخِرَةِ، وَاسْتِبْعَادُ رِسَالَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وسلم، وَشُيُوعُ الْأَعْمَالِ الْقَبِيحَةِ وَالْمَظَالِمِ فِيمَا بَيْنَهُمْ، وَابْتِدَاعُ التَّقَالِيدِ الْبَاطِلَةِ، وَانْدِرَاسُ الْعِبَادَاتِ.

ترجمہ: اور مشرکین کی گمراہی میں سے تھا (۱) شرک (۲) تشبیہ (۳) تحریف (۴) اور آخرت کا انکار کرنا (۵) نبی کریم ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنا (۶) برے اعمال اور ظلم وستم کا ان کے درمیان پھیل جانا (۷) باطل مذہبی باتوں کو ایجاد کرنا (۸) اور عبادتوں کا مٹ جانا۔

(ب) مطلب:

مشرکین عرب اگر چہ حنفاء یعنی ملت ابراہیمی کے پیرو تھے، مگر اس کے باوجود شرک اور تشبیہ کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، ملت ابراہیمی میں تحریف اور آخرت کا انکار کرتے تھے، آنحضرت ﷺ کی رسالت کو بعید اور من گھڑت باتوں کو دین سمجھتے تھے، برے کاموں اور ظلم وزیادتی میں بے باک اور عبادتوں کو ملیا میٹ کرنے والے تھے۔

(ج) شرک، تشبیہ اور تحریف کی وضاحت:

(۱) شرک کی وضاحت:

اللہ تعالی کی مخصوص صفات میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا شرک ہے، مثلاً: اسباب وآلات کے بغیر صرف ارادہ سے کائنات میں تصرف کرنا اللہ کی صفت خاصہ ہے، اسی طرح علم ذاتی یعنی عقل وحواس اور خواب والہام وغیرہ اسباب علم کے بغیر حاصل شدہ علم بھی اللہ کی خاص صفت ہے، نیز بیمار کو شفایاب کرنا، کسی کو دنیا وآخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں سے محروم کرنا، اور کسی کو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نوازنا، اللہ جل شانہ کی مخصوص صفات ہیں، ان صفات میں سے کسی صفت کو غیر اللہ کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

(۲) تشبیہ کی وضاحت:

تشبیہ یہ ہے کہ بشری صفات میں سے کسی صفت کو اللہ جل شانہ کے لیے ثابت کیا جائے مثلاً شکل وصورت اور جسم والا ہونا، یا بیٹا بیٹی والا ہونا بشری صفات ہیں، ان صفات میں سے کسی صفت کو اللہ جل شانہ کے۔ یہ ثابت کرنا تشبیہ ہے۔

مشرکین عرب کی تشبیہ یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے اور ان کا یہ بھی خیال تھا کہ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی مرضی کے خلاف بڑے بڑے امراء کی بات مان لیتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ اپنے مقرب بندوں کی سفارش قبول کرتے ہیں، چاہے وہ اللہ کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، نیز مشرکین عرب اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے باری تعالیٰ کی صفات سمع وبصر اور علم کو اپنی صفتوں پر قیاس کرتے تھے، کہ جس طرح ہم دیکھنے، سننے اور جاننے میں آنکھ کان وغیرہ اعضاء کے محتاج ہیں، اسی طرح باری تعالیٰ بھی آنکھ کان وغیرہ اعضاء کے محتاج ہیں، اور وہ اسی کوتاہ فہمی کی وجہ سے اس گمراہی میں مبتلا ہوگئے تھے کہ اللہ تعالیٰ شکل وصورت اور جسم والے ہیں اور متحیز و متمکن ہیں۔

(۳) تحریف کی وضاحت:

مشرکین عرب کی تیسری گمراہی ''تحریف'' ہے، تحریف کے لغوی معنی ہیں: بدل دینا، ترمیم کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: دین میں من گھڑت باتیں داخل کرکے شریعت الٰہیہ کو بدل دینا۔

تحریف کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے جد امجد

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین ومذہب پر گامزن تھی، اور ملت ابراہیمی کے احکامات وعبادات کی پابند تھی، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً تین سو سال پہلے مکہ مکرمہ میں یہ رواج عام ہو چلا تھا کہ جب کوئی شخص سفر میں جاتا تو حرم مکہ کا کوئی پتھر تبرکاً اپنے ساتھ لے جاتا، کچھ لوگ اس پتھر کو مقدس سمجھ کر اس کا طواف بھی کرتے تھے، پھر معاملہ آگے بڑھا تو جو بھی پتھر ان کو پسند آتا اس پتھر کو اٹھا لیتے اور خانہ کعبہ کی طرح اس کا طواف کرنے لگتے۔

(د) مخاصمہ کے دو طریقے:

(ا) کہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل نظریات اور فاسد خیالات کی صرف قباحت بیان فرمائی ہے اور ان کا امر منکر ہونا بیان فرمایا ہے، دلائل وبراہین سے تردید نہیں ہے فرمائی مثلاً مشرکین عرب کے اس عقیدے کو کہ "فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں" رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ویجعلون لله البنات، سبحنه، ولهم مايشتهون؛ واذا بُشّر احدهم بالانثى ظلّ وجهه مسودًّا وهو كظيم، يتوارى من القوم من سوء مابُشّر به، أيمسكه على هون ام يدسه فى التراب، الا ساء ما يحكمون (سورۂ نحل آیت ۵۷/۵۹)۔

ترجمہ: اور (مشرکین) اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ اس سے پاک ہے۔ اور اپنے لیے من پسند چیز! اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل ہی دل میں گھٹتا رہتا ہے، اور لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس چیز کی اس کو خوشخبری دی گئی ہے اس کے عار سے، آیا اس کو ذلت سے قبول کر کے رہنے دے، یا مٹی میں داب دے، خوب سن لو! ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۲) اور کہیں چاروں گمراہ فرقوں کے بے ہودہ خیالات کو بیان کرنے کے بعد دلائل قطعیہ اور خطابیہ سے ان کی مکمل تردید فرمائی ہے، مثلاً ارشاد خداوندی ہے: وجعلوا لله شركاء الجن وخلقهم .اور لوگوں نے جنات کو اللہ کا شریک ٹھہرایا، حالانکہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے (سورۂ انعام آیت/۱۰۰) اس ارشاد میں دلیل خطابی سے شرک کی تردید کی گئی ہے کہ سبھی لوگ جانتے اور مانتے ہیں کہ شریک اور ساجھی ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو ہم پلہ اور ہم رتبہ ہو، اور جنات اللہ کے ہم پلہ اور ہم رتبہ نہیں ہے کیونکہ اللہ خالق ہیں اور وہ مخلوق، لہذا جنات کو اللہ تعالی کا شریک وساجھی ٹھہرانا باطل ہے۔

فائدہ:

یہاں پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مصنف نے علوم خمسہ کو اجمالاً بیان کرتے وقت علم الاحکام کو مقدم کیا تھا، لیکن علوم خمسہ کو تفصیلاً بیان کرتے وقت علم الجدل یا علم المخاصمہ کو کیوں مقدم کر دیا جبکہ قاعدہ ہے کہ تفصیل اجمال کے موافق ہوا کرتی ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے: کہ علم الاحکام پر متقدمین کما حقہ کام کر چکے ہیں، آیات الاحکام کی مستقل تفسیر لکھی گئی ہیں صرف احکام القرآن کے نام سے تین کتابیں بندہ کے علم میں ہیں، ایک ابن عربی اندلسی کی، دوسری ابوبکر رازی حنفی کی جو جصاص کر کے مشہور ہیں، تیسری مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی، علاوہ ازیں کتبِ فقہ کا پورا ذخیرہ بالواسطہ یا بلاواسطہ علم الاحکام کی تفسیر ہے، اس کے برخلاف علم المخاصمہ کی طرف چنداں توجہ نہیں کی گئی تھی اس وجہ سے مصنف علامؒ کو علم المخاصمہ کو زیادہ وشرح وبسط سے لکھنا تھا، لہذا یہ بحث کثیر المباحث ہونے کے ساتھ ہی ساتھ توجہ کی بھی زیادہ حقدار ہوگئی گویا ضرورت سببِ تقدیم بن گئی۔ واللہ اعلم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال (۱۰) الفوز الکبیر ص/۲۲

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) "نظروا الی ھذہ الامور" میں "ھذہ الامور" کی تشریح کریں (د) مشرکین کے نمونے بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ مشرکین حضور کے رسالت کو بعید کیوں سمجھتے تھے۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَكَانُوْا يُجَوِّزُوْنَ نَظْرًا إِلٰى هٰذَا الْأُمُوْرِ: أَنْ يُّسْجَدَ لَهُمْ، وَيُذْبَحَ لَهُمْ، وَيُحْلَفَ بِهِمْ، وَيُسْتَعَانَ بِقُدْرَتِهِمِ الْمُطْلَقَةِ فِي الْأُمُوْرِ الْمُهِمَّةِ. وَنَحَتُوْا صُوَرًا كَصُوَرِهِمْ مِنَ الْحَجَرِ وَالصُّفْرِ وَجَعَلُوْهَا قِبْلَةً لِلتَّوَجُّهِ إِلٰى تِلْكَ الْأَرْوَاحِ؛ حَتّٰى اِعْتَقَدَ الْجُهَّالُ شَيْئًا فَشَيْئًا تِلْكَ الصُّوَرَ مَعْبُوْدَةً بِذَوَاتِهَا؛ فَتَطَرَّقَ الْفَسَادُ الْعَظِيْمُ إِلَى الْمُعْتَقَدَاتِ.

(الف) ترجمہ: ان خیالی باتوں کے پیش نظر وہ (مشرکین) جائز سمجھتے تھے ان کے واسطے سجدہ کرنے کو، اور ان کے لیے قربانی کرنے کو، ان کی قسم کھانے کو اور اہم معاملات میں ان کی قدرت کاملہ سے مدد مانگنے کو، اور ان مشرکین نے ان (مقرب بندوں) کی شکل وصورت جیسی پتھر اور پیتل کی مورتیاں تراش رکھی تھیں، اور ان (مورتیوں) کو ان (مقرب بندوں) کی ارواح کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بتایا تھا، یہاں تک کہ نادانوں نے رفتہ رفتہ ان مورتیوں ہی کو حقیقی معبود مان لیا، پس عظیم بگاڑ عقیدوں تک پہنچنے کی راہ پالی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) مشرکین عرب کا شرک:

مشرکین عرب کائنات کے پیدا کرنے میں، اور عظیم الشان امور کی تدبیر وانتظام میں نہ کسی کو اللہ کا شریک وساجھی مانتے تھے، نہ کسی کے لیے اللہ کے قطعی فیصلہ کو رد کرنے کی قدرت ثابت کرتے تھے، صرف لوگوں کے معالات اور بشری ضرورتوں میں دوسروں کو اللہ کا شریک وساجھی ٹھہراتے تھے۔

مشرکین عرب کا یہ گمان تھا کہ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ اپنی رعایا کا انتظام خود نہیں کرتا، بلکہ ان کے معالات کا نظم ونسق مقربین بارگاہ کو سونپ دیتا ہے، اور رعایا پر ان کی اطاعت واجب کر دیتا ہے، اور ان کی سفارش ان کے خداموں اور مقربین کے معاملات میں قبول کرتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہ نے اپنے بعض مقرب بندوں کو الوہیت کا مرتبہ عطا فرایا ہے، اور اپنے دیگر بندوں کے معاملات کا نظم ونسق ان کو سونپ دیا ہے، لہذا ان مقرب بندوں کو خوش رکھنا ضروری ہے، تا کہ وقت ضرورت وہ شفارش کریں، اور ان کے توسط سے اللہ جل شانہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

ان خیالی باتوں کے پیش نظر مشرکین ان مقرب بندوں کے لیے سجدہ کرنے اور قربانی کرنے کو، نیز ان کی قسمیں کھانے، اور اہم امور میں ان کی قدرت کاملہ سے مدد مانگنے کو جائز سمجھتے تھے، پھر مشرکین نے ان مقرب بندوں کی طرف متوجہ ہونے کے لیے ان کی مورتیاں بنائیں، اور ان کو قبلۂ توجہ بنایا، مگر رفتہ رفتہ جاہل اور ناسمجھ لوگ ان مورتیوں ہی کو معبود حقیقی سمجھنے لگے، تو عقیدوں میں بہت بڑا فساد اور بگاڑ پیدا ہو گیا۔

(ج) ’ھذہ الامور“ کی تشریح:

مشرکین بھی عقیدہ یہی رکھتے تھے کہ جب اللہ جل جلالہ کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تو پھر اس کے نفاذ میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی حائل نہیں ہو سکتی، اور ساری مخلوق اس کے ارادہ وفیصلہ کے سامنے عاجز محض ہے فانه فعال لما یرید. لیکن اسی کے ساتھ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو بعض شخصی معاملات کا اختیار سونپ دیتا ہے جیسے: دنیاوی سلاطین نظام سلطنت چلانے کے لیے اپنے مقرب ومعتمد لوگوں کو حدود مملکت کے مختلف حصوں کا حکمراں بنا کر بھیج دیتے ہیں اور جزئی معاملات میں تصرف کرنے کا کلی اختیار انہیں حاصل ہوتا ہے، اعتماد کی وجہ سے ان کی سفارشات قبول کی جاتی ہیں اور ان کے واسطے سے آنے والی درخواستیں قابل سماعت ولائق التفات ہوتی ہیں، اسی طرح رب العالمین بھی اپنے مخصوص بندوں کو اختیارات سونپ دیتا ہے جس کی وجہ سے جزئی وشخصی معاملات میں وہ تصرف کی قدرت واختیار رکھتے ہیں، لہذا بارگاہ خداوندی تک پہونچنے کے لیے اس کے ان مقرب بندوں کا واسطہ ضروری ہے تاکہ اس بارگاہ میں محبوبیت حاصل ہو سکے اور خواص کی سفارشات سے اپنی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔

مشرکین نے عام سلاطین زمانہ پر قیاس کرتے ہوئے قرب خاوندی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی مخصوصین ومقربین ہی کو سمجھا یہاں سے شرک کی داغ بیل پڑی، پھر کیا تھا مقربین کو سجدہ کرنا، ان کے نام پر قربانی، ان سے استمداد واستعانت جیسے وہ تمام امور (جائز ہی نہیں) مستحسن وقابل ثواب ہو گئے، جو رضائے الٰہی کا ذریعہ بنا کرتے تھے اور ایسے مقربین کی وفات کے بعد ان کی ارواح کی طرف متوجہ ہونے کے لیے ان کے مجسمے تیار کیے جانے لگے پھر وہ دن بھی آگئے کہ جہالت کی وجہ سے ان ہی بتانِ بے چشم وگوش کو معبود حقیقی سمجھا جانے لگا، گویا وسائل وذرائع کو مقصود کا مرتبہ مل گیا۔ فیا للعجب

(و) مشرکین کے نمونہ:

مشرکین مکہ کی نظیر کے طور پر ولی اللّٰہی دور کے جاہل عوام کے کچھ احوال پیش کیے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

گئے ہیں اور تقابل کر کے دکھایا گیا ہے، کہ تشبیہ و تحریف اور انواع شرک میں دونوں کے درمیان کس قدر یگانگت اور یکسانیت پائی جاتی ہے مثلاً:

(۱) مشرکین نفس رسالت کے قائل ہو کر بھی اپنے دور کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر تھے تو جاہل عوام نفس ولایت کے قائل ہونے کے باوجود اپنے دور کے اولیاء کی ولایتوں کا انکار کرتے تھے۔

(۲) مشرکین بارگاہ خداوندی کے مقرب و مخصوص بندوں کو بعض خصوصی معاملات میں قادر و مختار مانتے تھے جس کی وجہ سے ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور ان کے نام پر ذبح وغیرہ کو جائز سمجھتے تھے اور ان کی وفات کے بعد ان کی شبیہ اور مورتیوں کو ان کی ارواح کی طرف متوجہ ہونے کا ذریعہ بنالیا تھا، اور ایک عرصہ کے بعد عین مورتیوں کی پوجا شروع ہوگئی، یہی حال مصنف علام کے دور میں جاہل عوام کا تھا کہ وہ اولیاء کرام کو خاص خاص معاملات میں بااختیار مانتے تھے، ان کی وفات کے بعد قبروں کی زیارت کے بہانے سے ان بزرگوں کو ارواح سے رابطہ قائم کرتے رہے اور کچھ دنوں کے بعد وہ دور بھی آ گیا جب قبروں کو سجدے ہونے لگے، اور ان سے لڑکے لڑکیاں چڑھائے جانے لگے۔

(۳) خالق میں مخلوق کی صفات کا اعتقاد رکھنا تشبیہ ہے، مشرکین مکہ باری تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کر کے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ امور عامہ میں خود اللہ تعالیٰ کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں اور امور خاصہ میں اس کے مقربین اپنے اختیار سے تصرف کرتے ہیں تو جاہل عوام نے بھی اللہ تعالیٰ کو امور خاصہ سے بے دخل اور اولیاء کو بااختیار مان لیا۔

(۴) مشرکین دین میں تحریف کر کے بت پرستی کی لعنت میں گرفتار ہوگئے تھے تو جہلاء امت تحریف کر کے قبر پرستی کا شکار ہوگئے، ان مشرکانہ عقائد و اعمال میں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کا ابتلاء چنداں مستبعد یا باعث حیرت نہیں کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی سچی پیشین گوئی کے مطابق "اس امت کا گزشتہ امتوں کی ایک ایک

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

برائی میں ملوث ہونا" یقینی ہے حتی کہ ایک روایت کے مطابق "گذشتہ امت کے کسی فرد نے اپنی بیوی سے برسر راہ مجامعت کی بے حیائی اگر اختیار کی ہوگی تو اس امت میں یہ بے حیائی ہونی ہے"۔ اور دوسری روایت کے مطابق "اگر کسی نے اپنی ماں سے زنا کاری کی لعنت کا طوق پہنا ہوگا تو یہ امت بھی اس کا شکار ہوگی۔

مشرکین کے حضور ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنے کی وجہ:

اس عبارت میں مشرکین کی گمراہی "رسالتِ محمدی کا استبعاد" اور اس کے اسباب پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے، حاصل یہ ہے کہ مشرکین نفس رسالت و نبوت کے تو قائل تھے، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بلکہ اپنے آباء و اجداد سے ہٹ کر حضرت موسیٰ کو بھی نبی و رسول مانتے تھے، لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رسالت پر وہ حیرت زدہ تھے، اس کے مختلف اسباب میں سے دو سبب یہاں بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) مشرکین مکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات کا بچشم خود مشاہدہ کبھی کبھی نہیں کر سکے تھے اس لیے اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ نبی کی شخصیت کو خدا سے مماثلت و مشابہت ہونی چاہیے۔ جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ رسول و مرسل میں نہیں بلکہ رسول مرسل الیہم (پیغمبر اور بندوں) میں یگانگت ہونی چاہیے، کیوں کہ خداوند قدوس تو قادر مطلق ہے وہ اپنا کام کسی سے لے سکتا ہے، لیکن بندے محتاج ہوتے ہیں وہ ہر ایک سے مطمئن و فیضیاب نہیں ہو سکتے ہیں، اس لیے انکا رہبر و پیغمبران ہی کی جنس و نوع کا ہونا چاہیے، اسی وجہ سے باری تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا: قل لو كان في الارض ملائكة يمشون مطمئنين لنزلنا عليهم من السماء ملكا رسولا. اور مشرکین چونکہ خدا اور رسول میں مماثلت کے قائل تھے لہٰذا ان کا خیال تھا کہ نبی کی شخصیت بشری احوال و صفات سے بلند اور فقر و احتیاج سے محفوظ ہوتی ہے، اسی وجہ سے کہتے تھے: مال هذا الرسول ياكل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الطعام ویمشی فی الاسواق. اور اسی وجہ سے نبی کی شخصیت کو قادر مطلق اور مختار مانتے تھے، چنانچہ معجزات کی فرمائش اسی گمراہ نظریہ کی بنا پر ہوتی تھیں، قالوا لن نؤ من لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعاً.

(۲) نبوت ورسالت کے لیے نوع انسانی کے انتخاب میں جو خدائی مصلحت مخفی تھی، مشرکین مکہ اس سے بھی بے خبر تھے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی فرمائشیں رکھتے تھے جو اس مصلحت خداوندی کے بالکل منافی ہوتی تھیں، کبھی کہتے: لو لا انزل علینا الملائکۃ ربنا: کبھی کہتے: لو لا انزل علیه ملک: کبھی کہتے: او نزل علیه الذکر من بیننا: کبھی کہتے: لن نومن حتی نوتی مثل ما اوتی رسل الله.

سوال (۱۱) الفوز الکبیر ص/ ۴۶

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی تشریح کرتے ہوئے تحریف لفظی وتحریف معنوی کی تعریف مع مثال تحریر کریں (ج) تحریف لفظی کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ سے جو منقول ہے وہ لکھیے۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَقَدْ كَانَ الْيَهُوْدُ، آمَنُوْا بِالتَّوْرَاةِ، وَكَانَ مِنْ ضَلَالِهِمْ:

(۱) تَحْرِيْفُ أَحْكَامِ التَّوْرَاةِ، سَوَاءٌ كَانَ تَحْرِيْفًا لَفْظِيًّا أَوْ تَحْرِيْفًا مَعْنَوِيًّا.

(۲) وَكِتْمَانُ آيَاتِ التَّوْرَاةِ.

(۳) وَإِلْحَاقُ مَالَيْسَ مِنْهَا بِهَا، اِفْتِرَاءً مِنْهُمْ.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۴) وَالتَّقْصِيْرُ فِي تَنْفِيْذِ أَحْكَامِهَا.

(۵) وَالْعَصَبِيَّةُ الشَّدِيْدَةُ لِدِيَانَتِهِمْ.

(۶) وَاسْتِنْكَارُ رِسَالَةِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسُوْءُ الْأَدَبِ وَالطَّعْنُ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَلْ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَيْضًا.

(۷) وَابْتِلَاؤُهُمْ بِالْبُخْلِ وَالْحِرْصِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ مِنَ الرَّذَائِلِ.

(الف) ترجمہ: یہود تورات پر ایمان رکھتے تھے، اور ان کی گمراہیوں میں سے چند یہ ہیں:

(۱) تورات کے احکام میں تحریف کرنا، چاہے تحریف لفظی ہو یا معنوی۔

(۲) اور تورات کی آیتوں کو چھپانا۔

(۳) اور ان باتوں کو تورات کے ساتھ ملانا جو اس میں سے نہیں ہیں، اپنی طرف سے گھڑ کر۔

(۴) اور تورات کے احکام نافذ کرنے میں کوتاہی کرنا۔

(۵) اور اپنے مذہب کی نہایت بیجا حمایت کرنا۔

(۶) اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا، اور طعن و تشنیع کرنا، بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان میں بھی (گستاخیاں کرنا)۔

(۷) اور ان کا بخل و حرص وغیرہ بری خصلتوں میں مبتلا ہونا۔

(ب) تشریح:

اس عبارت میں یہود کی سات گمراہیوں کی فہرست پیش کی گئی ہے جیسا کہ عبارت پر لگے نمبر شمار سے ظاہر ہے یہ ساری گمراہیاں قرآن کریم میں مذکور ہیں، چنانچہ احکامِ توریت کے اندر تحریف کا ذکر متعدد آیات میں ہے مثلاً فبما نقضہم میثاقہم لعناھم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وجعلنا قلوبهم قسية يحرفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظا مما ذكروا به.(مائدہ ع ۳)

حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے کیا خوف لکھا ہے کہ "نقض عہد کے سبب سے ان میں دو باتیں آئیں (۱) ملعونیت اور (۲) قسوتِ قلب، اور ان دونوں کے نتیجے میں تحریف کلام اللہ اور عدم انتفاع بالذکر کی برائیوں سے دوچار ہوئے یعنی عہد شکنی کی وجہ سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی لعنت نے عقل ودماغ کو مسخ کردیا تو انتہائی بے باکی وبدعقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہوگئے، دوسری طرف قلوب سخت ہوگئے تو قبولِ حق اور نصیحتوں سے متأثر ہونے کا مادہ نہ رہا، اس طرح علمی وعملی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے، سورہ مائدہ ہی کے چھٹے رکوع میں فرمایا: يحرفون الكلم من بعد مواضعه. اسی طرح آیت کریمہ: افتطمعون ان يومنوا لكم وقد كان الخ (البقرہ ع ۹) میں بھی تحریف کا ذکر ہے۔

اور کتمانِ آیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ان الذين يكتمون ما انزلنا من البينة والهدى من بعد ما بيناه للناس في الكتاب اولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللعنون (بقرہ)۔ الذين يبخلون ويأمرون الناس بالبخل ويكتمون ما اتاهم الله من فضله (النساء)۔ ما اتاهم الله سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف مراد ہیں جو توریت میں مذکور تھے، سورۂ آل عمران میں اہل کتاب کو "کتمانِ حق" کے جرم پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: ياأهل الكتاب لم تلبسون الحق بالباطل وتكتمون الحق وانتم تعلمون.(ع ۷/ آیت ۸)۔

توریت میں من مانی اضافہ، جسے ماتنؒ نے والحاق ماليس الخ کے ذریعہ بیان کیا ہے باری تعالیٰ کے ارشاد: وان منهم لفريقا يلون السنتهم بالكتاب لتحسبوه من الكتاب وما هو من الكتاب ويقولون هو من عندالله وما هو من عندالله ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون. میں مذکور ہے، احکام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

توریت کے نفاذ واتباع میں لاپرواہی کا تذکرہ مندرجہ ذیل آیات میں ہے:

ولو انهم اقاموا التوراة والانجیل وما انزل الیهم من ربهم لاکلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم (مائدہ) ترجمہ: اور اگر وہ قائم رکھتے توریت وانجیل کو اور اس کو جو نازل ہوا اور ان پر کے رب کی طرف سے تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔

یعنی ارضی وسماوی برکات سے محرومی اور ذلت وبدحالی سے دوچار ہونے کا سبب توریت وانجیل اور قرآن کے احکام سے انحراف ہے۔

(۲) یقولون ان اوتیتم هذا فخذوه وان لم تؤتوه فاحذروا. (مائدہ) ترجمہ: کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے (کہ زانی اور مزنیہ کو کوڑے لگاؤ) تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچے رہنا۔

توریت کے مطابق محصن وزانی وزانیہ کی سزا رجم ہے جیسا کہ ابن صوریا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس کا اقرار کیا تھا پھر بھی اس کو قبول کرنے سے احتراز کرنا کھلی ہوئی لاپرواہی نہیں تو اور کیا ہے؟

مذہبی تعصب میں شدت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا: وقالوا لن یدخل الجنة الامن کان هودا او نصاری تلک امانیهم قل هاتوبرهانکم ان کنتم صادقین. (البقرہ) وقالت الیهود لیست النصاری علی شئی وقالت النصاری لیست الیهود علی شئی (البقرہ) ولن ترضی عنک الیهو والاالنصاری حتی تتبع ملتهم، (البقرہ) قالوا اتحدثونهم بما فتح الله علیکم لیحاجوکم به عند ربکم. تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تاکہ جھٹلائیں تم کو اس سے تمہارے رب کے آگے۔

منافقین یہود مسلمانوں کے سامنے توریت اور مذہب یہود کی وہ باتیں جن سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آپ ﷺ کا رسول ہونا اور دین اسلام کا برحق ہونا ثابت ہوتا تھا بیان کر دیا کرتے تھے تو غیر منافق یہود اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے تھے "أتحدثونهم" کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تمہیں خبر نہیں کہ مسلمان تمہارے اسی بیان کو بنیاد بنا کر رب العالمین کی بارگاہ میں تمہارے خلاف الزام قائم کریں گے؟

رہا مسئلہ استبعاد نبوت محمدی ﷺ کا تو حتی الوسع کافی غور وفکر کے بعد بندۂ جہول اس نتیجہ پر پہونچا کہ علماء یہود تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل تھے، توریت نے ان کے سامنے آپ ﷺ کے اوصاف ونشانات اتنی وضاحت کے ساتھ پیش کر دیے تھے کہ شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی، الذين آتيناهم الكتب يعرفونه كما يعرفون ابنائهم وان فريقاً منهم ليكتمون الحق وهم يعلمون (البقرہ). یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی حقانیت کا اعترا کرتے تھے اور اپنی خاص مجلسوں میں اس کی پیروی کی تلقین کرتے تھے اگر چہ خود ان کو ایمان کی توفیق نہیں ہوتی تھی، اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم. میں اللہ تعالی نے ان کے اس رویہ پر ملامت کی ہے، ہاں عام یہود جنہیں منصوبہ بند طریقہ پر اصل ملت وشریعت سے علماء یہود نے ناواقف کر رکھا تھا وہ مختلف وجوہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے تھے جسے قرآن کریم نے صراحۃً کہیں نہیں ذکر کیا ہے، الحاصل استبعاد رسالت کی بیماری جاہل عوام میں تھی، اور بے دلیل تھی اس لیے قرآن نے اسے قابل اعتناء والتفات نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم

یہود کی ساتوں گمراہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ جل شانہ کی شان میں گستاخی وطعنہ زنی کا تذکرہ قرآن کی مندرجہ ذیل آیتوں میں ہے: (۱) يآيها الذين آمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا. ترجمہ: اے ایمان والوں راعنا مت کہو انظرنا کہا کرو۔

یہود بے ہود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے راعنا کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کے ظاہری معنی ہیں ہماری رعایت فرمائیں، لیکن درحقیقت

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اس لفظ کے استعمال میں ان کی بدنیتی اور شرارت نفس کا زیادہ دخل ہوتا تھا کیونکہ وہ راعنا کے عین کے زیر کو کھینچ کر راعینا کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا، یا راعنا بمعنی احمق کی نیت کرتے تھے العیاذ باللہ، کیونکہ عبرانی زبان میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں کما ذکرہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ ویقولون سمعنا وعصینا غیر مسمع وراعنا لیاً بألسنتھم وطعناً فی الدین یعنی بعض یہودی ایسے ہیں جو توریت میں تحریف کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کوئی حکم سنتے ہیں تو کہتے ہیں سمعنا وعصینا غیر مسمع یعنی صحابہ ورسول خدا کو سنا کر تو سمعنا کہتے کہ ہم نے سن لیا قبول کرلیا، اور آہستہ آہستہ کہتے عصینا ہم نے نافرمانی کی، اور اسی کے ساتھ غیر مسمع بھی کہتے جس کا ظاہری معنی ہے آپ کو کوئی بری یا خلافِ مرضی بات نہ سننی پڑے لیکن یہود اس کلمہ کو بد دعا کے طور پر بولتے تھے کہ تم کچھ نہ سن سکو، بہرے ہو جاؤ۔ ان کلمات کو یہود غلط معنی میں اس انداز سے استعمال کرتے کہ بھولے بھالے مسلمان ان کو ظاہری اور اچھے معانی پر محمول کرلیتے تو یہود دین محمدی پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے کہ اگر محمد سچے رسول ہوتے اور ان کا دین سچا ہوتا تو آپ ﷺ ہماری پرفریب زبان اور ہماری نیتوں کو سمجھ لیتے۔

(۳) ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء (نساء) (۴) ید اللہ مغلولۃ (مائدہ) یہ بھی مختلف آیات میں مذکور ہے مثلاً ام لھم نصیب من الملک فإذا لا یؤتون الناس نقیراً، ای لفرط بخلھم (جلالین ج ۱/ص ۷۸)، الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل ویکتمون ماآتاھم اللہ من فضلہ (نساء ع ٦). ومنھم من ان تأمنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا مادمت علیہ قائماً (آل عمران ع ۸) علاوہ ازیں قرآن نے ان کی عہد شکنی، کفر بآیات اللہ اور انبیاء کے قتل ناحق اور سود خوری و حرام خوری وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ فتدبر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تحریف لفظی ومعنوی کی تعریف مع مثال:

تحریف لفظی: کسی کلام کے حروف یا کلمات میں ردوبدل کرنا، تحریف لفظی کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے بدل دینا اس کو تحریف بالتبدیل کہتے ہیں (۲) کسی لفظ کو بڑھانا، اس کو تحریف بالزیادہ بولتے ہیں (۳) کسی لفظ کو کم کردینا، اس کو تحریف بالنقصان نام رکھتے ہیں۔

ہر ایک کی مثال:

تحریف بالتبدیل: حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور طوفانِ نوحؑ کے درمیان عبرانی نسخہ کے اعتبار سے ایک ہزار چھ سو چھپن (۱۶۵۶) سال کا فاصلہ ہے، جب کہ یونانی نسخہ میں اس فاصلہ کی مدت دو ہزار دو سو باسٹھ (۲۲۶۲) سال اور سامری نسخہ میں ایک ہزار تین سو سات (۱۳۰۷) سال لکھی ہے (اظہار الحق ج ۱/ص ۳۳۹)۔

تحریف بالزیادۃ: سفر صموئیل اول کے باب ششم کی انیسویں آیت ہے اور پروردگار نے بیت الشمس والوں کو ہلاک کردیا کیونکہ انہوں نے پروردگار کی صندوق کھولی اور اسے دیکھا تو اس نے ان میں سے پچاس ہزار ستر انسانوں کو ہلاک کردیا، مفسر توریت آدم کلارک کافی ردوقدح کے بعد لکھتا ہے: ''غالب گمان ہے کہ عبری متن محرف ہے یا تو کچھ الفاظ اس میں سے کم ہوگئے ہیں یا ''پچاس ہزار'' کے الفاظ کا دانستہ یا نادانستہ طور پر اضافہ کیا گیا ہے (اظہار الحق ج ۱/ص ۳۸۶)۔

تحریف بالنقصان: سفر خروج باب ششم کی بیسویں آیت فولدت له هارون وموسى ہے جس کو سامری نسخہ اور یونانی ترجمہ میں ''فولدت له هارون وموسى ومريم اختهما'' ہے، خط کشیدہ الفاظ عبرانی نسخہ سے غائب ہیں، مفسر آدم

کلارک کے بقول بعض جدید قسم کے محققین کی رائے میں یہ الفاظ عبرانی متن میں بھی موجود تھے (اظہار الحق ج۱/ص ۴۱۷) بعد میں کمی ہوگئی (جسے تحریف بالنقصان کہا جاتا ہے)۔

(ج) تحریف لفظی کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ سے منقول قول:

شاہ صاحب نے حضرت ابن عباسؓ کے جس قول کا حوالہ دیا ہے اس کو مفسرین نے (وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون) (البقرہ آیت ۷۵) کی تفسیر میں ذکر کیا ہے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ:

يسمعون التوراة ويؤولونها تاويلاً فاسداً حسب اغراضهم، وإلى ذلك ذهب ابن عباسؓ، والجمهور على ان تحريفها بتبديل كلامٍ من تلقائهم. (یہود تورات سنتے تھے، اور اس کی حسب منشاء غلط تفسیر کرتے تھے، اور یہی ابن عباس کا مذہب ہے اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ تورات کی تحریف اپنی طرف سے کلام الٰہی کو بدل دینا ہے)۔

فائدہ:

لیکن اس آیت کا تعلق تورات کی تحریف سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق اس واقعہ سے ہے جو کوہِ طور پر پیش آیا تھا، اور "فریق" سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہِ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لیے گئے تھے، انہوں نے وہاں سے آکر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ ہم نے تو کلام کے آخر میں یہ بھی سنا ہے کہ: "ان احکام پر اگر عمل کرسکو تو کرنا، ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے" پس اس آیت میں تحریف تاویل فاسد کے ہم معنی ہے۔

اور تورات میں جو تحریف ہوئی ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت ۱۳، اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آیت ۱۴۱ میں بیان فرمایا ہے، مگر وہاں مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ذکر نہیں کیا، اس لیے یقین سے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول وہی ہے جو شاہ صاحب نے اختیار فرمایا ہے۔

بلکہ امام بخاری نے کتاب الشهادة میں باب لایسئل اهل الشرک عن الشهادة وغیرها کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے: وقد حدّثكم الله أن أهل الكتاب بدّلوا ما كتب الله، وغيّروا بأيديهم الكتاب فقالوا: من عندالله ليشتروا به ثمنا قليلا ؟! اس قول سے واضح ہوتا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے۔

البتہ امام بخاری نے باب قول اللہ تعالیٰ: بل هو قرآن مجيدٌ في لوحٍ محفوظ. کے تحت ابن عباسؓ کا یہ اثر نقل کیا ہے: عن ابن عباسؓ يحرفون : يزيلون؛ وليس احدٌ يزيل لفظ كتابٍ من كتب الله، ولكنهم يحرفونه: يتأولونه على غير تأويله، پس ہوسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس سے حضرت ابن عباسؓ کا مذہب اخذ کیا ہو، لیکن یہ اثر حضرت ابن عباسؓ کے مذہب پر صراحۃً دلالت نہیں کرتا، کیونکہ ہوسکتا ہے ولیس احدٌ یزیل الخ .ابن عباس کا قول نہ ہو، بلکہ امام بخاری کا وضاحتی نوٹ ہو، بلکہ یہی راجح ہے، جیسا کہ بخاری کے حاشیہ سے واضح ہے۔ قال المحشي: قوله وليس احد الخ من كلام البخاري ذيّل به تفسير ابن عباسؓ، ويحتمل ان يكون بقية كلام ابن عباسؓ في تفسير الأية (بخاری شریف ص/ ۱۱۲۷)۔

سوال (۱۲) الفوز الکبیر ص: ۲۷

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھئے (ج) تحریف کے سلسلے میں علماء کے کتنے مذاہب ہیں اور اس میں شاہ کس کے قائل ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

عبارت با اعراب: وَقَدْ تَحَقَّقَ لَدَى الْفَقِيْرُ أَنَّ تَحْرِيْفَهُمُ اللَّفْظِيَّ قَدْ كَانَ فِيْ تَرْجُمَةِ التَّوْرَاةِ وَأَمْثَالِهَا، لَافِيْ أَصْلِ التَّوْرَاةِ؛ وَهُوَ قَوْلُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

وَالتَّحْرِيْفُ الْمَعْنَوِيُّ: هُوَ تَأْوِيْلٌ فَاسِدٌ بِحَمْلِ الْآيَةِ عَلٰى غَيْرِ مَعْنَاهَا، بِتَعَسُّفٍ وَانْحِرَافٍ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ.

(الف) ترجمہ: اور فقیر کے نزدیک یہی حق ہے کہ ان کی تحریف لفظی تورات کے ترجمہ وغیرہ میں تھی، نہ کہ اصل تورات میں، اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اور تحریف معنوی: غلط مطلب بیان کرنا ہے آیت کو اس کے معنی (مرادی) کے علاوہ پر محمول کرکے بے راہ روی سے یعنی سیدھے راستہ سے انحراف کرتے ہوئے۔

(ب) مطلب:

ماتن علیہ الرحمہ نے اپنا نظریہ پیش کیا ہے کہ توریت کے اصل الفاظ وکلمات میں لفظی تحریف ہرگز نہیں ہوئی ہے ہاں توریت کے ترجمہ وتفسیر کے اندر یقیناً تحریف ہوئی ہے، گویا ان کے اسلاف واکابر نے جو صحیح ترجمہ وتفسیر لکھی تھی، اخلاف نے اس میں ترمیم اور حذف اضافہ کرکے قوم کے سامنے پیش کیا اور توریت کی اصل عبارت جوں کی توں باقی وبرقرار رہی۔

(ج) تحریف کے سلسلے میں علماء کا اختلاف اور شاہ صاحب کا مسلک:

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تورات میں تحریف معنوی ہوئی ہے، اور تحریف لفظی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے بارے میں تین مذہب ہیں: (۱) جمہور کی رائے یہ ہے کہ تورات میں تحریف معنوی کی طرح تحریف لفظی بھی بہت ہوئی ہے (۲) بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ تورات میں تحریف لفظی ہوئی ہے، مگر بہت کم، زیادہ تر تحریف معنوی ہوئی ہے (۳) اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی رائے یہ ہے کہ تورات میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے، تحریف لفظی بالکل نہیں ہوئی، اور شاہ صاحب کے خیال میں یہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے۔

نوٹ:

مگر علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ: اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ تورات میں صرف تحریف معنوی ہوئی ہے تو قرآن کریم کو محرف ماننا ہوگا، کیونکہ قرآن کریم میں بھی تحریف معنوی کچھ کم نہیں ہوئی، اس لیے میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ تورات میں لفظی تحریف بھی ہوئی ہے، چاہے دانستہ ہوئی یا نادانستہ (فیض الباری ج۳/ص۲۹۵)۔

نیز شاہ صاحب نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف جس قول کی نسبت کی ہے اس کو رد کرتے ہوئے علامہ شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ تحریف لفظی کا کیسے انکار کرسکتے ہیں جب کہ واقعہ اس کے برخلاف ہے، اور قرآن کریم بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ یہود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کہتے تھے کہ: هو من عندالله، وما هو من عندالله. یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

یہی تو تحریف لفظی ہے، لہٰذا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ یہود بالقصد تحریف نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے اسلاف نے اپنی فہم کے مطابق تورات کی جو مراد لکھی تھی اس کو بعد میں آنے والے اصل تورات میں داخل کردیا، اس طرح وہ تفسیر تورات کے ساتھ مخلوط ہوگئی (فیض الباری ج۴/ص۵۳۷)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال (۱۳) الفوز الکبیر ص/۳۰

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) افتراء یہود کے مذکورہ اسباب ثلاثہ کی وضاحت کریں (ج) یہود کی مختصر تاریخ لکھئے۔

الجواب

عبارت با اعراب: أَمَّا الْافْتِرَاءُ فَأَسْبَابُهُ:

(۱) دُخُولُ التَّعَمُّقِ وَالتَّشَدُّدِ عَلٰى أَحْبَارِهِمْ وَرُهْبَانِهِمْ۔

(۲) وَالْاِسْتِحْسَانُ أَيْ اِسْتِنْبَاطُ بَعْضِ الْأَحْكَامِ بِنَاءً عَلٰى إِدْرَاكِ الْمَصَالِحِ فِيْهَا، بِدُوْنِ نَصٍّ مِنَ الشَّارِعِ۔

(۳) وَتَرْوِيْجُ الْاِسْتِنْبَاطَاتِ الْوَاهِيَةِ۔

(الف) ترجمہ: رہا افتراء تو اس کے اسباب ہیں: (۱) تعمق اور تشدد کا ان کے علماء اور مشائخ میں پیدا ہونا۔

(۲) اور استحسان شارع کی تصریح کے بغیر احکام کو مستنبط کرنا ان میں کسی مصلحت کا ادراک کرنے کی وجہ سے۔

(۳) اور بے ہودہ استنباط کو رواج دینا۔

(ب) افتراء کے اسباب ثلاثہ کی وضاحت:

مصنف علامؒ نے یہود کی انواعِ ضلالت میں تحریفِ تورات اور کتمان آیات کے ساتھ والحاق مالیس منہا بہا افتراء کا بھی تذکرہ کیا ہے یعنی ان کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ من گھڑت اور خارجی باتوں کو تورات میں شامل کر دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بھی کلام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ربانی اور حکم الٰہی ہے، یہ درحقیقت ایک طرح کی تحریف ہے جسے آپ تحریفِ افترائی کے نام سے یاد کرسکتے ہیں یہاں اسی تحریف افترائی کی تشریح اور اس کے اسباب کی تفصیل پیش کی جارہی ہے جس کے لیے ''الافتراء'' کا مختصر عنوان اختیار کیا گیا ہے اس عبارت میں مصنف نے تحریف افترائی کے تین اسباب ذکر کئے ہیں، (۱) تعمق، (۲) تشدد، (۳) اور استحسان، جب کہ حجۃ اللہ البالغہ میں سات اسباب ذکر کئے ہیں ہم اولاً مذکورہ تین اسباب کی تشریح کرتے ہیں اور اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ باقی اسباب کو بھی ذکر کریں گے۔

تعمق: مصنف کی نظر میں ایک وسیع المعنی اور طویل الذیل اصطلاح ہے جس کے شعبے یا محمل تین ہیں۔

(۱) کسی امتی کا حسب استعداد اپنی دماغی کاوش سے کسی حکم شرعی کو مشابہت یا جزء علت میں اشتراک کی وجہ سے غیر منصوص موقع پر منطبق (فٹ) کرنا، یا حکم منصوص کے اجزاء اس کے احتمالی مواقع اور اسباب ودواعی میں سے کسی پر حکم شرعی منصوص کو لاگو کرنا۔

(۲) تعارض روایات کے وقت احکام شاقہ کو اختیار کرنا۔

(۳) نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام افعال کو عبادت اور واجب کا درجہ دینا (جب کہ بہت سے امور عادۃً سرزد ہوئے ہیں) مثلاً حالتِ صیام میں جماع کی حرمت ایک منصوص حکم ہے جس کی علت یہ ہے کہ ''وقتِ ممنوع میں قضاء شہوات'' اور نفس کی سیرابی پر شریعت نے پابندی عائد کررکھی ہے اب اگر کوئی شخص ''حرمت جماع'' پر قیاس کرکے ''سحری کھانے'' اور ''بیوی کے بوسہ لینے'' کو بھی ناجائز کہہ دے کیونکہ سحری کھانے میں ''قضاء شہوت اور نفس کی سیرابی'' ہے۔

الحاصل حرمت جماع پر قیاس کرکے سحری کو حرام کہنا ''جزء علت میں اشتراک'' کی بنیاد پر قیاس کرنا ہے اور تقبیل زوجۂ کو حرام کہنا اسباب پر حکم لگانا ہے، یہ دونوں قیاس ایک قسم کا تعمق ہیں اور منشأ شریعت کے خلاف بھی ہیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

تشدد: کے لغوی معنی سختی کرنا اور ولی اللّٰہی اصطلاح میں تشدد ان امور شاقہ (جفاکشی کی عبادتوں) کو اختیار کرنا ہے جن کا شریعت نے حکم نہیں فرمایا ہے: "اختیار عبادة شاقة لم يأمر بها الشارع كدوام الصيام والقيام والتبتل وترك التزوج وان يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات" (حجه ج ۱ /ص ۱۲۰)۔

الاستحسان: ولی اللّٰہی اصطلاح میں اس سے مراد ہے "کسی حکم شرعی کو خلافِ حکمت ومصلحت سمجھ کر بدل دینا"، بالفاظ دیگر اپنی کج فہمی سے حکم شرعی کو مضر یا غیر مفید سمجھ کر اس میں ترمیم وتغیير کر دینا استحسان ہے، ظاہر ہے کہ یہ نقل شرعی کے مقابلہ میں عقل بشری کو ترجیح دینا اور شیطان لعین کی پیروی کرنا ہے، اسی جیسی عقلیت نوازی اور اسی جیسے نفسانی قیاس کے بارے میں محمد بن سیرینؒ اور حسن بصریؒ نے اول من قاس ابلیس فرمایا، اور ابن سیرین نے اسے شرک کی اصل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ماعبدت الشمس والقمر الا بالمقائيس، مثلاً زنا کی حد شرعی "سنگساری" یہود کو خلاف حکمت نظر آئی کیونکہ حبِّ مال وحبِّ جاہ اور اُمراء کی خوشنودی کے جذبات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ان کو رجم وسنگساری کا فیصلہ سنایا جائے، لہٰذا صرف غرباء وضعفاء ہی پر یہ حد جاری تھی جس سے لوگوں کو شکایات ہوتیں اور اختلافات رونما ہوتے تھے گویا رجم کا حکم شرعی باعث اختلاف تھا اس لیے اس کی جگہ پر "منھ کالا کرنے اور کوڑا مارنے" کی سزا تجویز کر کے ہمیشہ کے لیے رسوا ہوئے۔

نوٹ(۱):

تنبیہ(۱): تعمق قیاس فاسد اور بے اصل ہونے کی وجہ سے اور استحسان کھلی ہوئی تحریف اور شہوت پرستی ہونے کی وجہ سے ممنوع وحرام ہے اور تشدد اس وجہ سے حرام ہے کہ اس میں نفس کی حق تلفی ہے، "وان نفسك عليك حقاً" حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم نے جب نہایت پُر مشقت وپُر محن عبادات پر

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مواظبت کا قصد فرمایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "لن یشاد الدین احدٌ الا غلبه"، یعنی جب کوئی شخص دینی امور میں بے جا تشدد کی راہ اختیار کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے اور یہ مغلوب ہو کر، دین کی روح سے دور ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں متشدد فی العبادۃ اگر قائد و مقتدیٰ بن جائے تو دین کا نقشہ ہی بدل جائے کیونکہ لوگ اس کے اعمال کو شرعی و واجبی حکم کا درجہ دیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ (۲):

تنبیہ (۲): استحسان و تعمق دونوں ہی بادی النظر میں قیاس کے ساتھ قدرے مشابہت رکھتے ہیں تاہم فرق بھی واضح ہے کیونکہ قیاس فقہی کے لیے علت تامہ کا اشتراک لازمی ہے اس کے بغیر قیاس فاسد اور مع الفارق ہوتا ہے، اور تعمق کے لیے جزء علت، بلکہ اسباب و دواعی حکم میں شرکت کافی ہے بلکہ تعمق کا اطلاق عادات نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو عبادت کا درجہ دینے، اور متعارض روایات میں سے اشد یعنی سخت حکم والی روایت کو ترجیح دینے پر بھی ہوتا ہے، حالانکہ قیاس فقہی کو ان اواخر الذکر صورتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اسی طرح ان کا استحسان ہمارے قیاس سے یوں بھی دور ہے کہ استحسان نص صریح کے مقابل اور محض مصلحت عقلی کے پیش نظر ہوتا ہے جب کہ قیاس غیر منصوص موقع پر، محض اشتراک علت کی بنا پر ہوتا ہے خواہ عقل تائید کرے یا نہ کرے۔

(ج) یہود کی مختصر تاریخ:

حضرت یعقوبؑ کے چوتھے صاحبزادے "یہوداہ" کی جانب منسوب ہے اس نام اور اپنی مذہبی خصوصیات و علامات کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح پیدا ہوئی قرآن نے اکثر مقامات پر ان کو "الذین ھادو" (وہ لوگ جو یہودی بن گئے) کہہ کر خطاب کیا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے، یہودی ہمیشہ سے انبیاء وصلحاء کے دشمن رہے ہیں، انہوں نے حضرت زکریا کو قتل کیا، ایک رقاصہ کی فرمائش پر حضرت یحیٰ کا سر قلم کیا اور اپنی دانست میں حضرت عیسیٰؑ کو بھی سولی پر چڑھا چکے ہیں، اپنی عادات سے مجبور حضور سرور کائنات ﷺ کے زمانے کے یہود بھی آپ کو ایذائیں پہنچانے اور قتل کرنے کی ناپاک سازشیں کرتے رہتے تھے، اس بد بخت قوم نے ہمیشہ فساق و فجار کو سر براہی کے لیے اور علماء وصلحاء کو دار و رسن کے لیے پسند کیا ہے۔

یہودیوں میں مدت سے صحیح تعلیم ناپید ہو چکی ہے تورات اصلی صورت اور اصلی زبان میں موجود نہیں ہے اور جو کچھ ہیں وہ تحریفی ترجمے ہیں، یہودی اپنے آپ کو صدیوں سے رنگ و نسل کی بنیاد پر خدا کی چہیتی امت کہتے چلے آرہے ہیں، ان کا تصور ہے کہ خدا سے ان کا خصوصی رشتہ اور تعلق ہے، وہ چاہے جتنا گناہ کریں بہر حال نجات اور جنت کی نعمتیں ان کی منتظر ہیں، "تلک امانیهم قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين" (یہ ان کی صرف تمنائیں ہیں ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو)۔

یہودیوں میں فرقے: یہودیوں کے چار فرقے ہیں کاتبین، فریسی، صدوقی اور صہیونی، یہودی خدا کو ایک ماننے کا دعوی کرتے ہیں اگر چہ ایک فرقہ ابنیت عزیرؑ کا بھی قائل ہے، حضرت موسیٰ کو افضل الانبیاء گردانتے ہیں، دن میں تین بار عبادت کرتے ہیں، ہر روز کتاب مقدس کی تلاوت کرتے ہیں، یوم السبت (سنیچر) ان کے آرام وعبادت کا دن ہے، بائبل کا عہد نامۂ قدیم یہودیوں کی مقدس کتابوں پر مشتمل ہے۔

سوال (١٤) الفوز الکبیر ص/ ٣١

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) بتائیں کہ مصنف نے اختلاف شرائع کو کس کے ساتھ تشبیہ دیا ہے؟ بوضاحت لکھیے (د) یہود کا نمونہ بیان کرتے ہوئے بتائیں کہ نبی اور رسول کی ضرورت کیوں ہے؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

عبارت با اعراب: وَالْأَصْلُ فِي هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ: أَنَّ النُّبُوَّةَ كَائِنَةٌ لِإِصْلَاحِ نُفُوْسِ النَّاسِ، وَتَهْذِيْبِ عِبَادَاتِهِمْ وَتَعْدِيْلِ عَادَاتِهِمْ، لَالِإِنْشَاءِ أُصُوْلِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؛ وَلِكُلِّ قَوْمٍ عَادَاتٌ فِي الْعِبَادَتِ، وَتَدْبِيْرُ الْمَنْزِلِ، وَالسِّيَاسَةِ الْمَدْنِيَّةِ، فَإِذَا ظَهَرَتْ فِيْهِمُ النُّبُوَّةُ فَلَا تَسْتَأْصِلُ هٰذِهِ الْعَادَاتِ بِالْمَرَّةِ، وَلَاتَضَعُ لَهُمْ عَادَاتٍ جَدِيْدَةً، بَلْ تُمَيِّزُ فِيْهَا بَيْنَ الْعَادَاتِ، فَمَا كَانَ مِنْهَا صَالِحًا مُطَابِقًا لِرِضَى اللّٰهِ تَعَالٰى تُبْقِيْهِ وَتَحْفُظِهِ، وَمَا كَانَ مَنْهَا مُخَالِفًا لِلْأَصَلِ، مُنَافِيًا لِرِضَى اللّٰهِ تَعَالٰى تُغَيِّرُهُ حَسَبَ الضَّرُوْرَةِ وَتُعَدِّلُهُ.

وَكَذٰلِكَ يَكُوْنُ التَّذْكِيْرُ بِآلَاءِ اللّٰهِ، وَبِأَيَّامِ اللّٰهِ عَلَى الْأُسْلُوْبِ الَّذِيْ هُوَ مَعْرُوْفٌ عِنْدَهُمْ، وَشَائِعٌ لَدَيْهِمْ؛ فَهٰذَا هُوَالسَّبَبُ فِيْ إِخْتِلَافِ شَرَائِعِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

(الف) ترجمہ: اور اس مسئلہ میں (یعنی انبیائے کرام کے معاملہ میں) دستور یہ ہے کہ نبوت وجود میں آتی ہے لوگوں کے نفوس کو سنوارنے کے لیے اور ان کی عبادتوں کو درست کرنے کے لیے اور ان کی عادتوں کو سیدھا کرنے کے لیے، نہ کی نیکی اور گناہ کے اصول (قوانین) ایجاد کرنے کے لیے، اور ہر قوم کی کچھ عادتیں ہوتی ہیں عبادتوں میں، اور تدبیر منزل میں اور سیاست مدنیہ میں، پس جب ان میں نبوت ظاہر ہوتی ہے تو وہ (نبوت) ان عادتوں کو یکبارگی ختم نہیں کرتی اور نہ ان کے لیے نئی عادتیں وضع کرتی ہے، بلکہ عادتوں کے درمیان امتیاز کرتی ہے، پھر ان (عادتوں) میں سے جو عادتیں درست اور اللہ تعالی کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں ان کو باقی رکھتی ہے، اور ان کی حفاظت کرتی ہے، اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ان (عادتوں) میں سے جو اصل (شریعت) کے مخالف ہوتی ہیں اور اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں، ان میں بقدر ضرورت ترمیم کرتی ہے اور ان کو سیدھا کرتی ہے۔

اسی طرح تذکیر بآلاء اللہ اور بایام اللہ اُسی نہج اور طریقہ پر ہوتی ہے جو ان کے نزدیک جانا پہچانا ہو اور ان کے درمیان رائج ہو، پس یہی سبب ہے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی شریعتوں کے مختلف ہونے کا۔

(ب) مطلب:

اس عبارت میں اختلافِ شرائع کے سبب اور حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے، حاصل یہ ہے کہ کار نبوت و مقصد رسالت نفوسِ بشریہ وجنیہ کی اصلاح و تطہیر اور ان کی عادات وعبادات کی تہذیب ہے، لیکن چونکہ اس طویل وعریض کائنات میں بسنے والے لوگ تہذیب وتمدن معاشرہ اور عادات وعبادات اسی طرح ملکی وسیاسی قوانین اور خانہ جنگی کے اعتبار سے ''مجموعۂ اضداد'' ہیں اور کوئی بھی قوم اپنے معاشرتی طور طریقے اور رسوم وعادات سے کلی طور پر دستبردار ہونا گوارا نہیں کرتی ہے اور نہ ہی حکمت خداوندی اقوام کی عادات کا استحصال وخاتمہ چاہتی ہے اس لیے ہر قوم کے ہادی ورسول کو قومی وعلاقائی مصالح وضروریات کے مطابق ایسی شریعت عطا کی گئی جو قوم مزاج وطبیعت سے ہم آہنگ ہو، لہذا حضرات انبیاء (علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام) اقوام کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی عادات وعبادات میں ترمیم کرتے ہیں، جب تک مرضیِ مولیٰ کے خلاف ہونا ثابت نہ ہوجائے کسی عادت یا معمول پر بندی نہیں عائد کرتے ہیں، اسی طرح تذکیر کے مواقع پر گردو پیش کے احوال کی رعایت کی گئی ہے چنانچہ قرآن میں تذکیر بآلاء اللہ کے موقعوں پر ان ہی نعمتوں کے تذکرے کے گئے ہیں جن سے قوم عرب (جو قرآن کریم کی اولین مخاطب تھی) مانوس تھی، مثلاً زراعت، تجارت، اونٹ، گائے اور انگور وکھجور وغیرہ نہ کہ آم،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سیب، مرغ، بھینس وغیرہ، اسی طرح تذکیر بایام اللہ کے موقعوں پر فرعون اور حضرت موسیٰ، اصحاب ابراہیمؑ وغیرہ کے واقعات آپ کو ملیں گے، دارا، رستم اور فرہاد و شریں کی کہانیاں (جن سے عرب ناواقف تھے) قرآن میں مذکور نہیں۔

(ج) مصنف نے اختلاف شرائع کو کس کے ساتھ تشبیہ دیا ہے:

مصنف نے اختلاف شرائع کو طبیب کے نسخوں کے اختلاف کے ساتھ تشبیہ دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ شریعتوں کا یہ اختلاف بالکل ایسا ہے جیسا طبیب وحکیم کے نسخوں اور تجویز کردہ دواؤں میں اختلاف ہوتا ہے، چنانچہ ایک حاذق طبیب وحکیم جب دوا الگ الگ مزاج رکھنے والے مریضوں کا علاج کرتا ہے تو مرض کے متحد ہونے کے باوجود ایک کے لیے سرد دوا اور سرد غذا تجویز کرتا ہے، اور دوسرے کو گرم دوا اور گرم غذا کا حکم دیتا ہے، حالانکہ طبیب کی غرض دونوں کے علاج میں ایک ہی ہے، یعنی مزاج کی اصلاح اور فاسد مادے کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے، لیکن غرض اور مقصود کے متحد ہونے کے باوجود مزاج کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف علاج تجویز کرتا ہے، نیز کبھی طبیب ہر علاقہ کے لیے الگ دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے اور ہر موسم میں مختلف علاج اور الگ تدبیر اختیار کرتا ہے۔

اسی طرح جب طبیب حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی اصلاح اور علاج کرنے کا ارادہ فرمایا جو روحانی بیماری میں مبتلا تھے، تو ہر زمانہ کے لوگوں کی عادتوں اور مسلمہ باتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے الگ الگ علاج تجویز فرمائے، کیونکہ تشریع احکام کا مقصد فاسد مادے کو ختم کرکے روحانی قوت کو تقویت پہونچانا ہے، یکساں قانون نافذ کرنا مقصود نہیں ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) یہود کا نمونہ:

اگر آپ آنکھوں سے ان کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنے زمانہ کے بد اطوار علماء کو دیکھیں، جو گمراہیاں اور خرابیاں نزول قرآن کے وقت یہود میں پائی جاتی تھیں، آج وہ سب گمراہیاں اور خرابیاں بعینہ علمائے سوء میں پائی جاتی ہیں، وہ یہود کی طرح دنیا کے طلب گار ہیں، وہ جانتے بوجھتے ہوئے اپنا پیٹ پالنے کے لیے لوگوں کو بدعات کے دلدل میں پھنسائے رکھتے ہیں، وہ اپنے اسلاف کی اندھی تقلید کے خوگر ہیں، ان کے اسلاف کی آراء کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کی نصوص کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ ایک عالم کے تعمق وتشدد اور اس کے واہی اجتہادات واستحسانات پر تکیہ کرتے ہیں اور اس کو ''امام'' کا مقام دیتے ہیں، غرض یہ لوگ صحیح احادیث سے تو اعراض کرتے ہیں اور موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو پیشوا بناتے ہیں پس دیکھئے گویا یہ وہی ہیں۔

نبی اور رسول کی ضرورت کیوں ہے:

دنیا میں کچھ حقائق تو وہ ہیں جن کا ادراک حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے یعنی آنکھ سے دیکھ کر، کان سے سن کر، ناک سے سونگھ کر، زبان سے چکھ کر اور جسم سے چھو کر کیا جاتا ہے۔ اور کچھ حقائق وہ ہیں جن کا ادراک حواس ظاہرہ کے ذریعہ نہیں بلکہ عقل وخرد کے ذریعہ کیا جاتا ہے، یعنی حواس سے محسوسات کا اور عقل سے معقولات کا ادراک کیا جاتا ہے، لیکن غیبی امور اور مخفی حقائق جو ''حس وعقل'' کے دائرہ سے بالاتر ہیں اور جن تک حس وعقل کی رسائی ناممکن ہے، ان کے علم وادراک کا واحد ذریعہ اور وسیلہ ''وحی الٰہی'' ہے، ''وحی الٰہی'' کی حقیقت تو حضرات انبیاء علیہم السلام خوب سمجھتے ہیں مگر ذہن سے قریب کرنے کے لیے اس کی مثال میں ''رویائے صادقہ'' (سچے خوابوں) کو پیش کیا جا سکتا ہے، یعنی جب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انسان سوجاتا ہے اور اس کی تمام ظاہری و باطنی ادرا کی قوتیں اور صلاحیتیں (حواس و عقل) بیکار و معطل ہوجاتی ہیں تو اس وقت اس پر بعض مخفی امور خواب کی شکل میں منجانب اللہ منکشف ہوتے ہیں جن کے انکشاف میں ''حواس و عقل'' کو ذرہ برابر دخل نہیں ہوتا، پس جس طرح خواب غیبی امور کے انکشاف کا ایک ادنی ذریعہ ہے اسی طرح وحی الٰہی غیبی امور، مخفی حقائق اور علوم عالیہ کے انکشاف کا ایک اعلیٰ ترین ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس اعلیٰ ترین ذریعہ (وحی) سے انبیاء علیہم السلام پر جن امور غیبیہ، حقائق مخفیہ اور علوم عالیہ کا انکشاف فرمایا عقل ان کے ادراک سے عاجز و قاصر ہے، کیونکہ عقل ایک بہت بڑی رہنما طاقت ہونے کے باوجود بہر حال ایک محدود قوت ہے، جیسا کہ انسان کی دوسری قوتیں محدود ہیں، یہی وجہ ہے کہ عالم غیب کے علاوہ اس دنیا میں بھی ایسے بیشمار حقائق ہیں جن کا ادراک عقل نہیں کرسکتی مثلاً ''روح'' جس کی حقیقت سب کے نزدیک مسلّم ہے اس کے باوجود آج تک فلاسفروں اور سائنسدانوں کا جمِّ غفیر ''روح'' کی ماہیت کے بارے میں کوئی واقعی اور قطعی تحقیق نہیں پیش کرسکا۔

عقل کی بیچارگی اور درماندگی کا یہ عالم ہے کہ کوئی شخص اپنی نری عقل سے ایک ساتھ رکھی ہوئی ''نمک'' اور ''مصری'' کی ڈلی میں فرق نہیں کرسکتا جب تک کہ چکھ کر نہ دیکھ لے۔

عقل اپنی محدود صلاحیتوں کے ساتھ ایک کمزوری اور بھی رکھتی ہے وہ یہ کہ اس میں جن امور کا ادراک کرکے فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہے ان میں بھی اس کے لیے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا بڑا مشکل کام ہے کیونکہ اس کے ساتھ لگا ہوا خواہشات کا فیصلہ اسے کچھ نہ کچھ اِدھر اُدھر کرکے ہی چھوڑتا ہے اور سے انحراف پر مجبور کردیتا ہے، لہٰذا عقل کی کمزوریوں اور محدود صلاحیتوں کے باوجود تمام ظاہری و باطنی حقائق اور غیبی امور تک کی ذمہ داری عقل بیچاری کو سونپنا عقل پر ظلم اور علم پر ستم ہے۔

پس سطور بالا سے واضح ہوگیا کہ انسان ہر چیز کا ادراک اپنے حواس و عقل سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نہیں کرسکتا، اور چونکہ بحیثیت اشرف المخلوقات اس پر لازم ہے کہ خیر وشر اور نفع وضرر کے بارے میں صحیح اور حقیقی علم حاصل کرے اور دنیا وآخرت میں سعادت وکامرانی سے بہرہ ور ہو اس لیے اللہ تعالی نے ہدایت ورہنمائی کے لیے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اور آخرت میں ہر طرح کی فلاح وسعادت کو حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے دامن سے وابستہ کردیا اور ہر قسم کی خوبیاں اور بھلائیاں آپ کے اسوۂ حسنہ میں رکھدیں، لہذا جو نجات وسعادت کا متمنی ہو اس پر فرض ہے کہ وہ قرآن وحدیث اور سیرتِ پاک کا مطالعہ کرے اور عقائد واعمال کو ان کے سانچے میں ڈھال کر فلاح دارین سے ہمکنار ہو۔

فائدہ: عقیدۂ تثلیث کی وضاحت:

نصاری کی سب سے بڑی گمراہی عقیدۂ تثلیث ہے، یعنی نصاری کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی کے تین اقانیم (اجزاء اور شاخیں) ہیں: اب (باپ) ابن (بیٹا) اور روح القدس (پاکیزہ روح) یہ تینوں اُقنوم من وجہ متحد اور من وجہ مختلف ہیں، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے: تثلیث کے عیسائی نظریہ کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کرکیا جاسکتا ہے کہ "اب" خدا ہے، "بیٹا" خدا ہے، اور "روح القدس" خدا ہے، لیکن یہ مل کر تین خدا نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی خدا ہے، اس لے کہ عیسائی نظریہ کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں، اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کردی ہے کہ ہم ان کو تین خدا یا تین آقا سمجھنے لگیں (بحوالہ بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ ص/۴۵)۔

باپ کی حقیقت:

نصاری اب (باپ) سے صرف ذات باری تعالی مراد لیتے ہیں، یعنی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف ذات باری تعالی کو باپ سے تعبیر کرتے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ذات باری ''بیٹے'' کے وجود کے لیے اصل کا درجہ رکھتی ہے، مشہور عیسائی فلاسفر ''سینٹ تھامس ایکویناس'' کی تشریح کے مطابق ''باپ'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے، اور کوئی ایسا وقت گذرا ہے، جس میں باپ تھا، اور بیٹا نہیں تھا، بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ باپ بیٹے کے لیے اصل ہے، جس طرح ذات صفت کے لیے اصل ہوتی ہے، ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے، اور ان میں سے کسی کو کسی پر زمانی اولیت حاصل نہیں ہے۔

خدا کی ذات کو باپ سے تعبیر کرنے کی وجہ:

عیسائی نظریہ کے مطابق خدا کی ذات کو ''باپ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں، جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے، دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے، جس طرح باپ بیٹے پر مہربان ہوتا ہے۔

ابن کی حقیقت:

نصاریٰ خدا کی صفت کلام کو ابن (بیٹے) سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے، انسانوں کی صفت کلام موجود بنفسہ نہیں ہے اور یہ صفت کلام موجود بنفسہ ہے ''ایکویناس'' لکھتا ہے:

''انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی، اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے، لیکن خدا کی صفتِ کلام ایک جوہر ہے، جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے، اسی لیے اس کو حقیقۃً نہ کہ مجازاً بیٹا کہا جاتا ہے، اور اس کی اصل

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کا نام باپ ہے“

عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ اسی صفت کے ذریعہ ہوتی ہیں، اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوتی ہیں، یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہے۔

روح القدس کی حقیقت:

نصاری روح القدس سے باپ اور بیٹے کی صفت حیات مراد لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اسی صفت کے ذریعہ خدا کی ذات (یعنی باپ) اپنی صف کلام (یعنی بیٹے) سے محبت کرتی ہے، اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے، یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے (یعنی موجود بنفسہ ہے) اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے (ماخوذ از مقدمہ بائبل سے قرآن تک)۔

سوال (۱۵) الفوز الکبیر ص/۳۳

(الف) اعراب لکھ کر ترجمہ کیجئے (ب) عبارت مذکورہ میں نصاری کے عقیدۂ حلول کی دلیل بیان کی گئی ہے آپ پہلے دلیل کی وضاحت کریں پھر ان دلیلوں کا جواب بھی تحریر کریں؟

الجواب

عبارت با اعراب: وَكَانُوْا يَعْتَقِدُوْنَ أَنَّ أَقْنُوْمَ ”اَلْإِبْنُ“ تدرع بِرُوْحِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيْ كَمَا أَنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامَ قَدْ يَظْهَرُ فِيْ صُوْرَةِ الْاِنْسَانِ، كَذٰلِكَ ظَهَرَ الْإِبْنُ فِيْ صُوْرَةِ رُوْحِ عِيْسٰى عَلَيْهِ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

السَّلَامُ؛ فَعِيْسَى إِلٰهٌ وَابْنُ إِلٰهٍ وَبَشَرٌ أَيْضًا فِيْ وَقْتٍ وَاحِدٍ؛ وَتَجْرِيْ عَلَيْهِ الْأَحْكَامُ الْبَشَرِيَّةُ وَالْإِلٰهِيَّةُ مَعًا.

وَكَانُوْا يَتَمَسَّكُوْنَ فِيْ إِثْبَاتِ هٰذِهِ الْعَقِيْدَةِ بِبَعْضِ الْإِنْجِيْلِ الَّتِيْ أُطْلِقَ فِيْهَا لَفْظُ "الْاِبْنُ" عَلٰى عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَكَذٰلِكَ يَسْتَدِلُّوْنَ بِالْآيَاتِ الَّتِيْ نَسَبَ فِيْهَا عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْضَ أَفْعَالِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِلٰى نَفْسِهِ.

(الف) ترجمہ: اور نصاری اعتقاد رکھتے ہیں کہ اقنوم ابن (بیٹے کے عنصر) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا کرتہ پہن لیا تھا، یعنی جس طرح جبرئیل علیہ السلام کبھی انسان کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، اسی طرح ''بیٹا'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کی صورت میں ظاہر ہوا تھا، پس عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں، اور خدا کے بیٹے اور انسان بھی ہیں ایک ہی وقت میں، اور ان پر بشری اور خدائی احکام ایک ساتھ جاری ہوتے ہیں۔

اور نصاری استدلال کرتے تھے اس عقیدے کے اثبات میں انجیل کی بعض آیتوں سے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، اور اسی طرح وہ آیتوں سے (بھی) استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

(ب) عقیدۂ حلول کی وضاحت:

نصاری کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ''بیٹا'' یعنی اللہ کی صفت کلام ایک روح کی شکل وصورت اختیار کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم اطہر میں حلول کر گئی تھی، اس لیے حضرت مسیح خدا اور خدا کے بیٹے ہیں، اور انسان بھی ہیں، یعنی آپ بیک وقت بشری اور خدائی اوصاف کے حامل ہیں۔

دلیل اول: اس باطل عقیدے کے اثبات میں نصاری انجیل کی ان آیتوں سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، مثلاً انجیل مُرقس کے باب ۱۳ آیت ۳۲ میں ہے: ''لیکن اس دن، یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا، نہ آسمان کے فرشتے، نہ بیٹا مگر باپ'' نیز یوحنّا حواری کی انجیل میں کئی جگہ حضرت مسیح کو بیٹا کہا گیا ہے، ان آیتوں کی نصاریٰ یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اقنوم ابن چونکہ حضرت مسیح کے جسم اطہر میں حلول کر گیا تھا اس لیے آپ کو بیٹا کہا گیا ہے۔

دلیل دوم: نیز اس باطل عقیدے کے اثبات میں نصاریٰ انجیل کی ان آیتوں سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السلام نے بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً انجیل یوحنا کے چھٹے باب میں ہے:

''جو کوئی میرا گوشت کھاتا ہے، اور میرا لہو پیتا ہے، ہمیشہ کی زندگی اسی کی ہے، اور میں اسے آخری دن اٹھاؤں گا (آیت ۵۴) کیونکہ میرا گوشت فی الحقیقت کھانے، اور میرا لہو فی الحقیقت پینے کی چیز ہے (آیت ۵۵) اور جو میرا گوشت کھاتا ہے اور میرا لہو پیتا ہے مجھ میں رہتا ہے، اور میں اس میں (آیت ۵۶) جس طرح سے کہ زندہ باپ نے مجھے بھیجا، اور میں زندہ باپ سے زندہ ہوں، اسی طرح وہ بھی جو مجھے کھاتا ہے، مجھ سے زندہ ہوگا'' (آیت ۵۷)

مذکورہ آیات سے نصاریٰ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ زندہ کرنا خدا کا کام ہے، لہٰذا حضرت مسیح علیہ السام خدا ہوئے اور کوئی انسان خدا نہیں ہوسکتا، جب تک خدائی عنصر اس میں سرایت نہ کر جائے، اس لیے ماننا ہوگا کہ اقنوم ابن حضرت مسیح کے جسم اطہر میں سرایت کر گیا تھا، پس حضرت مسیح خدا اور خدا کے بیٹے ہیں اور انسان بھی ہیں۔

عقیدۂ حلول کی دلیل کا جواب:

دلیل اول کا جواب: نصاریٰ کے پہلے استدلال کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم کرنا ہی دشوار ہے کہ جن آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کو بیٹا کہا گیا ہے، وہ تحریف

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وتبدیل سے پاک ہیں، کیونکہ انجیل کی تحریف کا مسئلہ اتنا واضح ہے کہ خود عیسائی اور نصاری بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے، اور تحریف سے پاک ہے، تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں محبوب ومقرب اور راست باز کو بیٹا کہا جاتا تھا، اس لیے حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی محبوب ومقرب اور راست باز ہونے کی وجہ سے بیٹا کہا گیا ہے، انجیل میں اس کے بکثرت شواہد موجود ہیں، مثلاً انجیل مرقس کے باب ۱۵ آیت ۳۹ میں ہے: ''اور صوبہ دار اس کے سامنے کھڑا تھا، اس نے اسے یوں دم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا: بیشک یہ آدمی خدا کا بیٹا ہے'' مگر انجیل لوقا کے باب ۲۳ آیت ۴۷ میں ہے: ''یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خداے کی تمجید کی، اور کہا: بیشک یہ آدمی راست باز ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ انجیل مرقس میں حضرت مسیح کو راست باز ہونے کی وجہ سے بیٹا کیا گیا ہے۔

دلیل دوم کا جواب: نصاری کے دوسرے استدلال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا بعض افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب کرنا نقل وحکایت کے طور پر تھا، جس طرح بادشاہ کا قاصد بادشاہ کے کارنامے بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: ''ہم نے فلاں شہر فتح کیا، اور فلاں قلعہ مسمار کردیا'' ظاہر ہے کہ یہ کارنامے قاصد کے نہیں، بادشاہ کے ہیں مگر قاصد صرف ترجمان ہونے کی وجہ سے ان کارناموں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی بعض افعال خداوندی کو اللہ کا رسول ہونے کی وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے ہوسکتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر نہ آتے ہوں، بلکہ اللہ تعالی براہ راست آپ کے دل میں مضامین القاء فرماتے ہوں، اور اللہ تعالی نے جس طرح مضامین القاء فرمائے ہوں بعینہ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بیان کردیتے ہوں، جس کی وجہ سے بعض افعال خداوندی کی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نسبت حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف ہوگئی ہو، لہٰذا انصاری کا ان آیتوں سے الوہیت مسیح پر استدلال کرنا سراسر لغو ہے۔

اس کی بہت سی نظیریں قرآن کریم میں بھی موجود ہیں مثلاً سورۃ الزمر آیت ۵۳ میں ہے: "قل یٰعبادیَ الذین أسرفوا" الآیۃ (آپ ﷺ کہیے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کیں ہیں الخ) ظاہر ہے کہ مشرکین اللہ کے بندے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے بندے نہیں ہیں، مگر جس طرح وحی آئی اسی طرح تعبیر باقی رکھی گئی۔

سوال (۱۶) الفوز الکبیر ص/ ۳۶

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) اس عبارت میں حضرت عیسیٰؑ کا نام لینے کا صحیح مطلب کیا ہے؟ (د) "فارقلیط" خود حضرت عیسیٰؑ کیوں نہیں ہوسکتے؟ بوضاحت تحریر کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَمِنْ ضَلَالَاتِهِمْ أَيْضًا: أَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ: إِنَّ الْفَارَقْلِيْطَ الْمَوْعُوْدَ هُوَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامِ نَفْسَهُ، الَّذِيْ جَاءَ بَعْدَ قَتْلِهٖ إِلَى الْحَوَارِيِّيْنَ، وَأَوْصَاهُمْ بِالتَّمَسُّكِ بِالْإِنْجِيْلِ وَيَقُوْلُوْنَ: إِنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْصَاهُمْ أَيْضًا بِأَنَّ الْمُتَنَبِّئِيْنَ سَيَكْثُرُوْنَ، فَمَنْ سَمَّانِيْ فَاقْبَلُوْا كَلَامَهٗ، وَإِلَّا فَلَا.

(الف) ترجمہ: ان (نصاریٰ) کی گمراہیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس فارقلیط (کے آنے) کا (انجیل میں) وعدہ کیا گیا ہے، وہ خود عیسیٰ علیہ السلام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہیں، جو اپنے قتل کے بعد حواریوں کے پاس تشریف لائے، اور ان کو مضبوطی سے انجیل کو تھامنے کی وصیت کی اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو وصیت فرمائی ہے کہ نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والے بکثرت ہوں گے، پس جو میرا نام لے اس کی بات قبول کرنا، ورنہ تو نہیں۔

(ب) مطلب:

انجیل یوحنا میں فارقلیط کی آمد کی جو بشارت دی گئی ہے اس کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا، انجیل یوحنا کے باب ۱۴ میں ہے: ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے (آیت ۱۵) اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے (آیت ۱۶)''

اور اسی باب کی آیت ۲۶ میں ہے: ''لیکن فارقلیط یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائی گا، اور کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا (آیت ۲۶)''

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۵ میں ہے: ''لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا تو وہ میری گواہی دے گا (آیت ۲۶) اور تم بھی گواہ ہو، کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو (آیت ۲۷)''

اور انجیل یوحنا کے باب ۱۶ میں ہے: ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے گا، لیکن اگر جاؤں تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا (آیت ۷) اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا (آیت ۸) گناہ کے بارے میں اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے (آیت ۹) راست بازی کے بارے میں اس

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

لیے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں، اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے (آیت ۱۰) عدالت کے بارے میں اس لیے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے (آیت ۱۱) مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے (آیت ۱۲) لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا، اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا (آیت ۱۳) وہ میرا جلال ظاہر کرے گا، اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا (آیت ۱۴) جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے، اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ سے حاصل کرتا ہے، اور تمہیں خبریں دے گا (آیت ۱۵)"

انجیل یوحنا میں جہاں فارقلیط کی آمد کی بشارت دی گئی ہے وہاں اس کی بھی صراحت ہے کہ فارقلیط مدت دراز تک تمہارے درمیان ٹھہرے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا، اور لوگوں کو گناہوں سے پاک کرے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح جیسا کہ نصاری کا خیال ہے، تھوڑی دیر ٹھہر کر واپس چلی گئی تھی، لہٰذا فارقلیط کا مصداق آنحضرت ﷺ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

(ج) حضرت عیسیٰ کے نام لینے کا صحیح مطلب:

رہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کہ جو میرا نام لے اسی کی بات ماننا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مجھے خدا یا خدا کا بیٹا مانے اسی کی بات ماننا، جیسا کہ نصاری کہتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو میری نبوت کی تصدیق کرے اور مجھے خدا کا رسول مانے اسی کی بات ماننا، اور جو مجھے خدا کا رسول نہ مانے اس کی بات ہرگز نہ ماننا، کیونکہ وہ جھوٹا نبی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) فارقلیط خود حضرت عیسیٰ کیوں نہیں ہوسکتے:

''فارقلیط'' خود حضرت عیسیٰ نہیں ہوسکتے۔

اوّلاً: اس وجہ سے کہ حضرتؑ نے فارقلیط کے بارے میں فرمایا ''وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گاہی دوں گے''، ظاہر ہے کہ اس گواہی کا مقصد منکرین تک حق بات کو پہونچانا اور حضرت کی رسالت وصداقت کا اعلان ہے، اور یہ مقصد جب ہی پورا ہوسکتا ہے جب منکرین کے سامنے شہادت ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ روح کا ربط وتعلق تلامذہ ہی تک محدود رہا، اس کے برخلاف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کی صداقت وطہارت، دعویٰ الوہیت سے ان کی بیزاری اوران کی والدہ کی براءت وپاکدامنی کے بارے میں کھل کر شہادتیں فراہم کی ہیں جنہیں قرآنی آیات اور احادیث نبویہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، اسی طرح دوسرے صفات بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بڑی بے تکلفی کے ساتھ صادق آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ دور رسالت میں بھی بہت سے یہودی مشرف باسلام ہوئے اور بعد میں بھی۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ فارقلیط کی آمد کا واقعہ حضرت عیسیٰ کے رفع الی السماء (عقیدۂ نصاری کے مطابق وفات) کے دس روز بعد پیش آگیا تھا، اگر (فارقلیط) سے حضرت عیسیٰ مراد ہوتے تو نصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ان کے انتظار میں کیوں رہتے؟ شاہ حبشہ نجاشی اور مقوقس اسی طرح جارود بن المعلی الحضرمی جیسے نصاری نے آپ ﷺ کو نبی منتظر قرار دیا اگر فارقلیط موعود سے روح القدس مراد ہوتے جو رسولوں پر نزول فرماچکے تھے تو آپ کو نبی منتظر قرار دینے کا کیا موقع تھا؟۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال (۱۷) الفوز الکبیر ص/۳۴

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) ''کسوۃ روحیہ'' کی مراد واضح کرتے ہوئے عبارت کی ایسی تشریح کیجیے کہ شاہ صاحب کی مراد واضح ہو جائے (ج) حضرت عیسیٰ نے بعض افعال الٰہی کی نسبت اپنی طرف کی جس سے اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان اتحاد کا شبہ ہوتا ہے اس کی تشفی بخش توجیہ کریں؟ نیز نصاریٰ کا نمونہ بیان کریں (د) عقیدۂ مصلوبیت کی دلیل اور اس کی تردید بیان کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَبِالْجُمْلَةِ: فَلَوْ فَرَضْنَا أَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى ظَهَرَ فِي الْكِسْوَةِ الرُّوْحِيَّةِ، الَّتِيْ هِيَ مِنْ جِنْسِ الْأَرْوَاحِ وَتَدَرَّعَ بِالْبَشَرِيَّةِ، فَلَا يَنْطَبِقُ لَفْظُ ''الْاِتِّحَادِ'' عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى عِنْدَ التَّدْقِيْقِ وَالْإِمْعَانِ، إِلَّا بِتَسَامُحٍ؛ وَأَقْرَبُ الْأَلْفَاظِ لِهٰذَا الْمَعْنٰى: هُوَ ''التَّقْوِيْمُ'' وَمِثْلُهُ؛ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا.

(الف) ترجمہ: الغرض اگر ہم فرض کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ظہور فرمایا ایسے روحانی لباس میں جو روحوں کے قبیل سے ایک روح ہے اور بشریت کا کرتہ پہن لیا تو بھی منطبق نہیں ہوتا لفظ ''اتحاد'' اس مفہود پر باریک بینی اور گہری نظر کے وقت، مگر چشم پوشی سے (یعنی بس یونہی سرسری طور پر اس پر اتحاد کا اطلاق ہو سکتا ہے، حقیقۃً اطلاق نہیں ہو سکتا) اور اس مفہوم کے لیے قریب ترین لفظ ''تقویم'' اور اس کے مانند (الفاظ) ہیں، اللہ تعالیٰ انتہائی برتر ہیں اس بات سے جو یہ ظالم لوگ کہتے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے بشریت کا روپ دھار لیا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کے جسم میں حلول کر گئے، توبہ! توبہ! اللہ کی شان سے ان باتوں کا کیا جوڑ ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ب) "کسوہ روحیہ" سے مراد:

کسوہ روحیہ سے مراد صفت کلام ہے،

(ج) اللہ تعالی اور عیسیٰ کے درمیان اتحاد ہونے کے شبہ کا جواب:

(۱) حضرت عیسیٰ نے بعض افعال الٰہی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے بارے میں اس عالم سے ہونے کی نفی کی ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے "فقال لهم انتم من اسفل، اما انا فمن فوق، انتم من هذا العالم اما انا فلست من هذا العالم" "کا مطلب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں خدا ہوں آسمان سے اتر کر مجسم ہو گیا ہوں"

جواب یہ ہے کہ اسی طرح کی بات حضرت مسیح نے اپنے تلامذہ کے حق میں کہی ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے "اگر تم دنیا کے ہوتے تو دنیا اپنوں کو پیار کرتی لیکن تم دنیا کے نہیں بلکہ میں نے تمہیں دنیا میں سے چن لیا ہے اس واسطے دنیا تم سے کینہ رکھتی ہے، (باب ۱۹،۵)، اگر اس سے الوہیت ثابت ہوتی تب تو عیسیٰ مسیح کے سارے متبعین معبود ہو جاتے (نعوذ باللہ)، اس لیے "عالم سے ہونے کی نفی" کا مطلب ہے دنیا کا طالب نہ ہونا، بلکہ طالب آخرت اور رضائے مولیٰ کا خواہاں ہونا، یہ مجازی معنی بہت سی زبانوں میں شائع ہیں چنانچہ صلحاء اور زہاد کے بارے میں کہتے ہیں "انهم ليسوا من الدنيا".

(۲) انجیل یوحنا باب ۱ آیت ۳۰ میں ہے "انا والاب واحد" یہ ان کے زعم کے مطابق اللہ اور مسیح کے اتحاد پر دال ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ خود حواریین کے حق میں بھی وارد ہوئے ہیں، چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے "جس طرح کہ تو اے باپ مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ایک ہوں (باب ۱۷، آیت ۲۱)، اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہے تا کہ وہ ایک ہوں جس طرح کہ ہم ایک ہیں، میں ان میں اور تجھ میں تا کہ یہ وحدت میں کامل ہو جائیں (باب ۱۷، آیت ۲۲،۲۳)۔

پس اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ حوار یین کے اتحاد مع اللہ پر دال ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کا یہ اتحاد حقیقی نہیں ہے بلکہ اتحاد باللہ سے مراد احکام خداوندی کی اطاعت ہے۔فکذا اتحادہ باللہ۔

(۳) کبھی اس لیے کہ آپ نے مردے زندہ کیے ہیں جیسا کہ انجیل مرقس کے پندرہویں باب میں ہے۔

جواب یہ ہے کہ بیشک مردہ کو زندہ کرنا آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے لیکن آپ نے زمانہ صلیب تک صرف تین اشخاص کو زندہ کیا ہے اور ایک یا یر کی کی بیٹی کو، جو کسی عبادت خانے کا سردار تھا جیسا کہ لوقا ءمتی اور مرقس میں ہے اور ایک نوجوان کو، جیسا کہ لوقا نے ساتویں باب میں نقل کیا ہے اور ایک لعزر کو، جسے صرف یوحنا نے اپنی انجیل کے گیارہویں باب میں نقل کیا ہے۔

ادھر حزقیال کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ہزاروں کو زندہ کیا ہے، جیسا کہ ان کی کتاب کے سینتیسویں باب میں ہے، نیز حضرت الیاس علیہ السلام کا مردے کو زندہ کر دینا اول کتاب سلاطین کے سترہویں باب میں لکھا ہے تو ان سب کو خدا کہنا چاہیے بلکہ حزقیال سب سے زیادہ اس کے مستحق ہیں حالانکہ اس کے وہ بھی قائل نہیں۔

نصاریٰ کا نمونہ:

آیئے اب آپ نصاریٰ کا نمونہ دیکھئے: اپنے زمانہ کے اکابر علماء ومشائخ کے صاحب زادوں کو اور مریدوں کو دیکھئے، وہ اپنے آباء واجداد اور اپنے پیروں کے بارے میں کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور انہوں نے ’’پیران نمی پرند‘‘ مریداں می پرانند‘‘ کے مطابق

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ان کا رتبہ کہاں سے کہاں تک پہنچادیا ہے، یہی اِطراء (تعریف میں مبالغہ کرنا) عیسائیوں کا مرض تھا، جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی مقام ومرتبہ تک پہونچادیا ہے، اسی سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: لاتطرونی کما أطرت النصاری ابنَ مریم، فإنما أنا عبده، فقولوا: عبدالله ورسوله (متفق علیہ) (میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے، میں تو اللہ تعالی کا بندہ ہی ہوں پس کہو (یعنی عقیدہ رکھو) کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اسی طرح جب لوگ اسلاف اور اولیاء کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے مقام سے اونچا اٹھادیتے ہیں تو طرح طرح کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، ان ظالموں کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ ان کا اخروی انجام کیسا ہونے والا ہے۔

(د) عقیدۂ مصلوبیت کی دلیل اور اس کی تردید:

اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ آدمؑ نے جو خدا کی نافرمانی کی تھی یعنی اس کے حکم بغیر درخت ممنوعہ سے کھالیا تھا وہ گناہ نہ ان کی اس سزا سے معاف ہوا کہ وہ جنت سے نکالے گئے، مدتوں پریشان ورتے پھرے، نہ ان کی توبہ واستغفار سے معاف ہوا بلکہ وہ نسل درنسل ہر بنی آدم پر منتقل ہوتا چلا آتا تھا اور خدا کو اس کی سزا دیے بغیر چارہ نہ تھا، کیونکہ عیسائی عقیدہ میں ہر گناہ کی سزا جہنم ہے، اس گناہ موروثی سے حضرات انبیاء علیہم السلام بھی پاک نہ تھے اب اس کی سزا بھی دی تو کس کو؟ اپنے پیارے مسیح کو، وہ باوجودیکہ فریاد اور آہ وزاری بھی کرتے رہے مگر خدائے عادل کب توجہ فرمانے والا تھا، آخر اس معصوم کو صلیب پر یہود کے ہاتھ چڑھوا ہی دیا اور انہوں نے بڑی تکلیف سے چیخ کر جان دی اور تمام مخلوق کے گناہوں میں انہیں کو ملعون بنا کر تین روز جہنم میں رکھا اور وہ تمام دنیا کے لیے کفارہ ہوگئے (العیاذ باللہ)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور دلیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ مقولہ:

اور دلیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ مقولہ پیش کرتے ہیں کہ: اب سوتے رہو اور آرام کرو، دیکھو وقت آپہنچا ہے، اور ابن آدم ظالموں فاجروں کے ہاتھوں سولی دیا جائے گا (انجیل متی باب ۲۶ آیت ۴۵) نیز اس سلسلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے جو باتیں منقول ہیں ان کو بھی نصاری دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

مگر نصاری کا یہ خیال بالکل غلط ہے، یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا ہے، نہ سولی پر لٹکایا ہے، بلکہ اس شخص کو قتل کیا تھا اور سولی پر چڑھایا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل اور مشابہ ہو گیا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زندہ سلامت آسمان پر اٹھالیا تھا، ارشاد خداوندی ہے:

"وماقتلوه وماصلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه، مالهم به من علم الا اتباع الظن وماقتلوه يقينا بل رفعه الله اليه" (سورۂ نساء آیت ۱۵۷، ۱۵۸)

ترجمہ: انہوں نے (یعنی یہود نے) نہ ان کو قتل کیا، اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا، اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں (یعنی نصاری) وہ غلط خیال میں (مبتلا) ہیں، ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں، بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے (یعنی یہود نے) ان کو یقینی بات ہے، کہ قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا (اور ایک شخص کو ان کا ہم شکل بنا دیا اور وہ مقتول و مصلوب ہوا۔

الغرض یہود کو اس سے دھوکہ ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا کر مار ڈالا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے جو رفع کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے انہوں نے بھی یہود کے دعوئے قتل کو صحیح سمجھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہو گئے، یہ لوگ اکثریت میں تھے اور جو حضرات حقیقت حال سے واقف تھے وہ بہت کم تھے، اس لیے یہ غلط خیال نصاریٰ میں مشہور ہو گیا، اور صحیح بات پوشیدہ ہو گئی، جب قرآن کریم نازل ہوا تو اس نے اس پوشیدگی کو دور فرمایا، اور حقیقت حال سے لوگوں کو آگاہ فرمایا۔

رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ تو اس کا مقصد اپنے قتل کی خبر دینا نہیں تھا، بلکہ یہود کی جرأت بیجا اور اقدام قتل کی خبر دینا تھا، لہٰذا انصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقولہ سے اور حواریوں کے اقوال سے استدلال صحیح نہیں۔

سوال (۱۸) الفوز الکبیر ص/

(الف) قرآن مجید نے جن فرقوں سے مجادلہ کیا ہے صاحب کتاب کی تصریح کے مطابق ان کے نام اور ان میں پائی جانے والی کم از کم پانچ گمراہیاں تحریر کریں (ب) موجودہ دور میں ان فرقوں کا نمونہ بھی متعین کریں (ج) کلام پاک میں جن چار طریقوں سے شرک کی تردید کی گئی ہے ان کو تحریر کریں (د) صفات باری کے توقیفی ہونے کا مطلب اور اس میں مصلحت لکھئے۔

الجواب

(الف) صاحب کتاب کی تصریح کے مطابق قرآن میں بیان چار فرقوں سے مجادلہ اور ان کی پانچ گمراہیاں۔

صاحب کتاب کی تصریح کے مطابق قرآن میں چار فرقوں سے مجادلہ کیا گیا ہے:

(۱) یہود (۲) نصاریٰ (۳) مشرکین (۴) منافقین۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۱) یہود کی پانچ گمراہیاں:

(۱) تورات کے احکام میں تحریف کرنا، چاہے تحریف لفظی ہو یا معنوی۔
(۲) اور تورات کی آیتوں کو چھپانا۔
(۳) اور ان باتوں کو تورات کے ساتھ ملانا جو اس میں نہیں ہیں، اپنی طرف سے گھڑ کر۔
(۴) اور تورات کے احکام نافذ کرنے میں کوتاہی کرنا۔
(۵) اور اپنے مذہب کی نہایت بیجا حمایت کرنا۔

(۲) نصاریٰ کی پانچ گمراہیاں:

(۱) عقیدۂ تثلیث (۲) عقیدۂ حلول (۳) عقیدۂ مصلوبیت (۴) عقیدۂ کفارہ (۵) بشارت فارقلیط۔

(۳) مشرکین کی پانچ گمراہیاں:

(۱) شرک (۲) تشبیہ (۳) تحریف (۴) جحود الآخرۃ (۵) استبعاد رسالۃ النبی ﷺ۔

(۴) منافقین کی پانچ گمراہیاں:

(۱) بعض لوگ کفر و ایمان کے معاملہ میں اپنی قوم کی موافقت کے عادی ہوتے ہیں، وہ برادری کی ڈگر پر چلتے ہیں، اگر قوم ایمان پر جمی رہتی ہے تو وہ بھی جمے رہتے ہیں اور اگر قوم کفر طرف لوٹ جاتی ہے تو وہ بھی پلٹ جاتے ہیں۔
(۲) بعض لوگوں کے دلوں پر کمینی دنیا کی لذتوں کی پیروی ایسی قبضہ جمالیتی ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ ورسول کی محبت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی وہ ہمیشہ لذاتِ دنیا میں اور عیش و عشرت میں لگے رہتے ہیں اور بھول کر بھی ایمان واسلام کے تقاضے پورے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

(۳) بعض لوگوں کے دلوں پر حرص مال اور حسد وکینہ وغیرہ رذائل ایسا قبضہ جما لیتے ہیں کہ ان کے دلوں میں دعا ومناجات کی حلاوت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی، وہ کبھی خدا کے سامنے گریہ وزاری نہیں کرتے، نہ ان کے دلوں میں عبادتوں کی برکتوں کے لیے کوئی جگہ ہوتی ہے، وہ اگر عبادتیں کرتے بھی ہیں تو اس کا لطف انہیں محسوس نہیں ہوتا۔

(۴) بعض لوگ دنیوی دھندوں میں پھنسے رہتے ہیں، وہ ہر وقت ان میں مشغول رہتے ہیں، انہیں آخرت کی تیاری کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی، نہ وہ اس معاملہ میں کبھی سوچتے ہیں، وہ آخرت سے اس طرح غافل ہو جاتے ہیں کہ گویا انہیں آخرت کا یقین ہی نہیں ہے۔

(۵) بعض لوگوں کے دلوں میں اللہ کے معاملہ میں، آنحضرت ﷺ کے معاملہ میں، قرآن کے معاملہ میں، یا کسی دینی امر کے معاملہ میں بیہودہ خیالات اور شکوک وشبہات کھٹکتے رہتے ہیں، اگرچہ وہ اس درجہ تک نہیں پہنچتے کہ وہ اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں اور دین ہی سے ہاتھ جھاڑ لیں، اس لیے وہ مسلمان تو رہتے ہیں، مگر ضعیف ایمان کی وجہ سے ثمرات سے محروم رہتے ہیں۔

اور ان شکوک وشبہات کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، مثلاً آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں آپ پر بشری احکام کا جاری ہونا، کھانا، پینا، شادی بیاہ کرنا کچھ لوگوں کے لیے باعث تشویش تھا اور ملت اسلامیہ کا غلبۂ حکومت کی صورت میں اطراف عالم میں پھیلنا اور اس قسم کی دوسری باتیں کچھ لوگوں کے لیے وجہ تذبذب تھیں، جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ حنفیت اپنی خوبیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ حکومت کے سہارے، قاضیوں کے ذریعہ پھیلی ہے، حالانکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے، اسی طرح اسلام کے بارے میں یہ خیال برابر لوگوں کے ذہنوں میں کھلبلی مچاتا رہتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے حالانکہ اسلام اپنی خوبیوں کی وجہ سے پھیلا تھا اور پھیلتا ہے، تلوار تو فتنہ فرو کرنے کے لیے اٹھانی پڑتی ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ان چار فرقوں کا نمونہ:

یہود کا نمونہ:

اگر آپ آنکھوں سے ان کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنے زمانہ کے بد اطوار علماء کو دیکھیں، جو گمراہیاں اور خرابیاں نزول قرآن کے وقت یہود میں پائی جاتی تھیں، آج وہ سب گمراہیاں اور خرابیاں بعینہ علمائے سوء میں پائی جاتی ہیں، وہ یہود کی طرف دنیا کے طلب گار ہیں، وہ جانتے بوجھتے ہوئے اپنا پیٹ پالنے کے لیے لوگوں کو بدعات کے دلدل میں پھنسائے رکھتے ہیں، وہ اپنے اسلاف کی اندھی تقلید کے خوگر ہیں، ان کے اسلاف کی آراء کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کی نصوص کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ ایک عالم کے تعمق وتشدد اور اس کے واہی اجتہادات واستحسانات پر تکیہ کرتے ہیں اور اس کو ''امام'' کا مقام دیتے ہیں، غرض یہ لوگ صحیح احادیث سے تو اعراض کرتے ہیں اور موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو پیشوا بناتے ہیں پس دیکھیے گویا یہ وہی ہیں۔

نصاریٰ کا نمونہ:

آیئے اب آپ نصاریٰ کا نمونہ دیکھیے: اپنے زمانہ کے اکابر علماء ومشائخ کے صاحب زادوں کو اور مریدوں کو دیکھیے، وہ اپنے آباء واجداد اور اپنے پیروں کے بارے میں کیسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں اور انہوں نے ''پیران نمی پرند' مریداں می پرانند'' کے مطابق ان کا رتبہ کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے، یہی اطراء (تعریف میں مبالغہ کرنا) عیسائیوں کا مرض تھا، جس نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدائی مقام ومرتبہ تک پہونچا دیا ہے، اسی سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، ارشاد فرمایا: لاتطرونی کما أطرت النصاری ابنَ مریم، فإنما أنا عبده، فقولوا: عبدالله ورسوله (متفق علیہ) (میری تعریف میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاری نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہی ہوں پس کہو (یعنی عقیدہ رکھو) کہ آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اسی طرح جب لوگ اسلاف اور اولیاء کی تعریف میں مبالغہ کرتے ہیں اور ان کے مقام سے اونچا اٹھا دیتے ہیں تو طرح طرح کی گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں، ان ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا اخروی انجام کیسا ہونے والا ہے۔

مشرکین کا نمونہ:

مشرکین عرب کے احوال واعمال جو احوال واعمال اور عقائد ونظریات ماقبل میں پیش کیے گئے ہیں، اگر ان کو آپ اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں اور صحیح صورت حال سے واقف ہونا چاہتے ہیں، تو اس زمانہ کے جاہل اور ناخواندہ مسلمانوں کے احوال واعمال اور خیالات ونظریات میں غور کریں خصوصاً ان مسلمانوں کے خیالات اور عمال کو ملاحظہ کریں جو ایسی بستیوں میں رہتے ہیں جہاں اسلامی شعائر واحکام رائج نہیں ہیں، اور دینی تعلیم سے لوگ ناآشنا ہیں۔

منافقین کا نمونہ:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ عملی منافقین کے دو نمونے پیش کرتے ہیں:

پہلا نمونہ: حاکموں اور امراء کے مصاحبین وندماء عصر حاضر کے منافقین ہیں، آپ حاکموں کی مجالس میں جائیے، آپ دیکھیں گے کہ ان کے ندماء ومصاحبین ان کی مرضیات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ترجیح دیتے نظر آئیں گے، شرعاً جو کام ناجائز ہوگا مثلاً کسی کا ناحق قتل کرنا ایسے سنگین معاملہ میں بھی بادشاہوں کے مصاحبین اپنے آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملائیں گے، اس کے قتل کے جواز کے بلکہ وجوب کے دلائل پیش کریں گے، حالانکہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

خالق کی معصیت کے کاموں میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، انصاف سے فیصلہ کیجیے دور نبوی کے منافقین میں اور عصر حاضر کے ان منافقین میں کیا فرق ہے؟ کچھ فرق نہیں، سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے ہیں، دور نبوت کے منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی باتیں براہ راست سن کر نفاق اختیار کیا تھا اور یہ لوگ شریعت کے احکام یقینی ذرائع سے جان کر ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس لیے دونوں یکساں ہیں۔

دوسرا نمونہ: روشن خیال دانشور ہیں جن کے دلوں میں اسلام اور تعلیمات اسلامی کے تعلق سے طرح طرح کے شبہات پنپتے رہتے ہیں اور وہ دبی زبانوں سے گفتہ آید در حدیث دیگراں کا سہارا لے کر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں، اگرچہ وہ اسلام کا دم بھرتے ہیں، یہ لوگ آخرت کو بالکل بھولے رہتے ہیں، اس کے لیے کوئی تیاری نہیں کرتے، کیونکہ دل ہی ایمان پر مطمئن نہیں ہیں، پس یہ لوگ بھی منافقین کا نمونہ ہیں۔

(ج) کلام پاک میں جن چار طریقوں سے شرک کی تردید کی گئی ہے:

اللہ تعالی نے شرک کی تردید قرآن میں چار طریقوں سے کی ہے:

پہلا طریقہ: کہیں مشرکین سے دلیل کا مطالبہ کیا ہے کہ اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو تو دلیل پیش کرو، لیکن مشرکین کے پاس اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے سوا کوئی دلیل نہیں تھی، اس لیے تقلید آباء سے استدلال پر نقض وارد کر کے ان سے دلیل قطعی کا مطالبہ کیا گیا ہے مثلاً سورۂ انعام میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ:

”سيقول الذين كفروا: لو شاء الله ما أشركنا ولا آباؤنا ولا حرمنا من شيء؛ كذلك كذب الذين من قبلهم حتى ذاقوا بأسا؛ قل هل عندكم من علم فتخرجوه لنا؛ إن تتبعون إلا الظنّ وإن أنتم إلا تخرصون“ (سورة الانعام ۱۴۸).

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ترجمہ: یہ مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالی چاہتے تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام کرتے، اسی طرح جھٹلاتے رہے ان سے اگلے لوگ یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا، آپ فرمادیجئے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ اس کو ہمارے سامنے پیش کرو، تم محض خیالی باتوں پر چلتے ہو، اور صرف اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔

دوسرا طریقہ: اور کہیں شرک کے رد میں معبودانِ باطل اور اللہ تعالی کے درمیان عدم مساوات کو واضح فرما کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ عبادت یعنی نہایت اعلی درجہ کی تعظیم کے مستحق صرف اللہ تعالی ہیں، اور یہ بندے جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں مثلاً سورۂ فاطر میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

”یأیھا الناس اذکروا نعمت علیکم ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء والارض، لاالہ الا ھو، فانّی تؤفکون“ (آیت ۳).

ترجمہ: اے لوگو! تم پر جو اللہ کے احسانات ہیں ان کو یاد کرو، کیا اللہ تعالی کے سوا کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزی پہنچاتا ہو؟ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، پھر تم (شرک کرکے) کہاں الٹے جارہے ہو؟!

یعنی تم مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کا سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے، پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہوگیا؟ جو خالق ورازق حقیقی ہے وہ ہی معبود ہونا چاہیے (فوائد عثمانی)۔

تیسرا طریقہ: کہیں شرک کے رد میں تمام انبیاء کرام کا مسئلۂ توحید پر متفق ہونا بیان فرمایا ہے مثلاً سورۂ انبیاء میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

”وماارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ: انہ لاالہ الا انا فاعبدون“ (آیت ۲۵).

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کے پاس وحی بھیجی ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو۔

یعنی تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع عقیدۂ توحید پر رہا ہے، کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا، ہمیشہ یہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں، تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے، اور شرک کا رد ہوتا ہے ایسی ہی نقلی حیثیت سے انبیاء کرام کا اجماع دعوئے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے (فوائد عثمانی)۔

چوتھا طریقہ: اور کہیں شرک کے رد میں بت پرستی کی شناعت وقباحت کو واضح فرمایا ہے، اور پتھروں اور بتوں کا مرتبۂ انسانی سے فروتر ہونا ثابت فرمایا ہے کہ جو پتھر اور بت انسانی کمالات سے محروم ہیں وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ مثلاً سورۂ حج میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"یأیها الناس ضرب مثل فاستمعوا له؛ إن الذین تدعون من دون الله لن یخلقوا ذبابا، ولو اجتمعوا له؛ وإن یسلبهم الذباب شیئا لا یستنقذوه منه، ضعف الطالب والمطلوب" (آیت ۷۳)۔

ترجمہ: اے لوگو! ایک عجیب بات بیان کی جاتی ہے کہ اس کو کان لگا کر سنو، اس میں کوئی شک نہیں کہ جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، اگر چہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لیں تو اس کو اس سے چھڑا نہیں سکتے، عابد و معبود دونوں لچر اور بودے ہیں۔

اور شرک کے رد کا یہ چوتھا طریقہ صرف ان لوگوں کے سامنے اختیار کیا گیا ہے جو بتوں کو معبود حقیقی سمجھتے تھے، کیونکہ جو لوگ بتوں کو صرف قبلۂ توجہ خیال کرتے ہیں ان کو یہ جواب خاموش نہیں کر سکتا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(د) صفات باری کے توقیفی ہونے کا مطلب اور اس کی مصلحت:

صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ توقیفی اور سماعی ہیں یعنی کتاب وسنت اور اجماع امت سے جو صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ ثابت ہیں وہی صفات اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، ہم اپنی طرف سے اسمائے حسنیٰ میں کسی اسم کا اضافہ نہیں کر سکتے، کیونکہ صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ کے اثبات میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۱) اللہ جل شانہ کے لیے ایسی صفات ثابت کی گئی ہے جن کو ہر شخص اپنی فطری صلاحیت اور خداداد علوم سے سمجھ سکتا ہے، اور ایسی صفات کے اثبات سے اجتناب کیا گیا ہے جن کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا، صرف پڑھے لکھے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(۲) خداوند قدوس کے لیے ایسی صفات کا انتخاب کیا گیا ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اور ان صفات کی اللہ کی طرف نسبت کرنے میں لوگوں کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا، اور ایسی صفات کے اثبات سے احتراز کیا گیا ہے جن سے لوگوں کا عقیدہ خراب ہو سکتا ہے۔

چونکہ اثبات صفات میں مذکورہ دونوں باتوں کا لحاظ رکھنا نہایت مشکل اور انتہائی دشوار کام ہے، ہر شخص اس پر قادر نہیں، اس لیے صفات خداوندی اور اسمائے حسنیٰ کو شریعت نے توقیفی قرار دیا ہے اور ہر شخص کو اس میں آزادانہ گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی۔

سوال (۱۹) الفوز الکبیر ص/۵۰

(الف) عبارت پر اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھتے ہوئے معنی لازم کے ذریعے تفسیر کرنے کی کوئی مثال بیان کریں؟

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

عبارت با اعراب: وَمِمَّا يَنْبَغِي أَنْ يُعْلَمَ هُنَا: أَنَّ الصَّحَابَةَ وَالتَّابِعِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ رُبَّمَا يُفَسِّرُوْنَ اللَّفْظَ بِلَازِمِ مَعْنَاهُ؛ وَقَدْ يُتَعَقَّبُ الْمُفَسِّرُوْنَ الْمُتَأَخِّرُوْنَ ذٰلِكَ التَّفْسِيْرَ الْقَدِيْمَ، مِنْ جِهَةِ تَتَبُّعِ اللُّغَةِ، وَتَفَحُّصِ مَوَارِدِ الْاِسْتِعْمَالِ.

وَالْغَرَضُ الْمَطْلُوْبُ فِيْ هٰذِهِ الرِّسَالَةِ: سَرْدُ تَفْسِيْرَاتِ السَّلَفِ بِعَيْنِهَا، وَلِنَقْدِهَا وَتَنْقِيْحِهَا مَوْضِعٌ آخَرُ غَيْرُ هٰذَا الْمَوْضِعِ.

(الف) ترجمہ: یہاں جن باتوں کا جاننا مناسب ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کبھی لفظ کی اس کے لازم معنی سے تفسیر کرتے ہیں، اور متاخرین مفسرین کبھی اس قدیم تفسیر پر گرفت کرتے ہیں، لغت کی چھان بین اور مواقع استعمال کی کھود کرید کرنے کے اعتبار سے۔

اور اس رسالہ (فتح الخبیر) میں جس غرض کا قصد کیا گیا ہے وہ اسلاف کی تفسیروں کو بعینہ نقل کرنا ہے اور ان پر نقد وتبصرہ کے لیے دوسرا موقع ہے اس موقع کے علاوہ۔

(ب) مطلب:

تفسیر کی کتابوں میں جا بجا ایک ایک آیت کی تشریح میں کئی کئی اقوال سامنے آجاتے ہیں، جس سے تفسیر کے مبتدی طلبہ ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مصنف علامؒ اسی ذہنی کشمکش کے ازالہ کی خاطر فرماتے ہیں کہ صحابہ وتابعین کبھی آیات والفاظِ قرآنی کی تفسیر میں لغوی واصلی معنی کے بجائے اس کے لازمی مفہوم کو ذکر کر دیتے ہیں، جس کو متاخرین مواقع استعمال اور لغوی تحقیقات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، اور

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جب ان کی کسوٹی پر وہ تفسیر پوری اور کھری اترتی ہے تو متقدمین کا تعاقب اور رد کیا جاتا ہے، انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ ان اقوالِ مختلفہ کو مقصد کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے کا معارض سمجھنا محض کم فہمی اور سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہوتا ہے، ان اقوالِ مختلفہ کو اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تو محض الفاظ وعبارت اور تعبیر کا اختلاف ہے۔ شعر

عباراتنا شتّی وحسنک واحد وکلٌ الی ذاک الجمال یشیر

سببِ اختلاف:

مذاقِ گفتگو اور گرد وپیش کے احوال کی رعایت اس اختلاف لفظی کی اصل محرک ہوتی ہے، کوئی اس وجہ سے کوئی اصل معنی موضوع لہ سے تفسیر کرتا ہے، کوئی اس کے لازمی معنی کا تذکرہ کرتا ہے، کوئی اس کی نظیر پیش کرتا ہے، کوئی مقاصد اور ثمرات وفوائد کو ذکر کرتا ہے، اور کوئی سائل یا مخاطب کے مناسب حال تفسیر پر اکتفا کر لیتا ہے، جب کہ آیت کریمہ ان سبھی تفاسیر ومعانی کو حاوی وجامع ہوتی ہے، مثلاً ارشاد باری ہے: ”إنا جعلنا ما علی الارض زینةً لها “ (الکہف)” ما علی الارض “ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”الرجال خاصة هم زینة الارض. وقیل اراد بهم العلماء والصلحاء وقیل مایصلح ان یکون زینةً لها من زخارف الدنیا“.

ان مختلف اقوال کو نقل کرنے کے بعد قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی فرماتے ہیں:

ویمکن ان یرادبما علی الارض علی العموم کما هو الظاهر وکونها زینةً من حیث النظامِ الجملی او من حیث ان لکلّ شیءٍ مدخلاً فی الزینة لان حسن الاشیاء المحسنة تعرف کما هی عند معرفة قبح اضدادها.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہنے کے لیے یہ چار اقوال ہیں، لیکن ان میں تعارض یا تناقض ہرگز نہیں، بلکہ ان اقوال میں عموم وخصوص کی نسبت ہے، قاضی صاحبؒ کی تفسیر عام ہے، بقیہ تفسیریں خاص، لیکن خاص کے ثبوت سے عام کی نفی تو نہیں ہو جاتی ہے، مثال دوم: حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے "المغضوب علیهم" کا مصداق یہود کو اور "ضالین" کا مصداق نصاری کو بتایا ہے، بعض مفسرین کی رائے ہیں المغضوب سے فساق وبداعمال اور الضالین س ے گمراہ وبداعتقاد لوگ مراد ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادیؒ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا: "ان تفسير المغضوب عليهم والضالين باليهود والنصارى جاء في الحديث الصحيح المأثور فلايعتد بخلافه" (روح المعانی ج ۱ / ص ۳۰)۔

اسی طرح مفسر ابوحیان نے بھی اس قول پر لطیف طنز کرتے ہوئے فرمایا: "واذا صح هذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وجب المصير اليه" لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ہدایت کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ اشکالات کمزور نظر آتے ہیں، کیونکہ مذکورہ تفسیر، جن پر یہ اکابر چراغ پا ہیں تفسیر ماثور کے معارض نہیں ہے، بلکہ تفسیر ماثور کو متضمن اور جامع ہے، اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ ان دونوں الفاظ کے اولین مصداق یہود نصاری ہی ہیں، لہذا تفسیر ماثور کو تمثیل کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال (۲۰) الفوز الکبیر ص/ ۵۱

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب لکھئے (ج) متقدمین کے نزدیک نسخ کی کیا تعریف ہے؟ ان کے نزدیک نسخ کی کتنی صورتیں صاحب کتاب نے بیان کیا ہے مع مثال لکھئے (د) متاخرین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد کیا ہے؟ بوضاحت تحریر کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

عبارت با اعراب: مِنَ الْمَوَاضِعِ الصَّعْبَةِ فِيْ عِلْمِ التَّفْسِيْرِ الَّتِيْ مَبَاحِثُهَا كَثِيْرَةٌ، وَالْاِخْتِلَافُ فِيْهَا وَاسِعٌ: مَعْرِفَةُ النَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ؛ وَمِنْ أَقْوٰى وُجُوْهِ الصُّعُوْبَةِ: اِخْتِلَافُ اِصْطِلَاحِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَالْمُتَأَخِّرِيْنَ.

(الف) ترجمہ: فن تفسیر کے ان مشکل مواقع میں سے جن کے مباحث بہت ہیں، اور جن میں اختلاف پھیلا ہوا ہے ناسخ ومنسوخ کا پہچاننا ہے، اور دشواری کی قوی ترین وجہ متقدمین اور متأخرین کی اصطلاح کا مختلف ہونا ہے۔

(ب) مطلب:

ناسخ ومنسوخ کی معرفت کو علماء تفسیر کے یہاں بڑی اہمیت حاصل ہے حتی کہ اسے اجتہاد کے لیے موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے، اور ائمہ تفسیر اس کو "تفسیر" کی اجازت نہیں دیتے جسے یہ علم حاصل نہ ہو۔

حضرت علیؓ کا ایک واعظ کے پاس سے گذر ہوا آپ نے اس سے پوچھا "اتعرف الناسخ والمنسوخ" ناسخ ومنسوخ آیات کی شناخت تمہیں ہے؟ غریب واعظ کی طرف سے نفی میں جواب پاکر حضرت نے فرمایا: "هلكت وأهلكت" تو نے اپنے ساتھ دوسروں کی تباہی وبربادی کا بھی سامان کر رکھا ہے۔

کتاب الناسخ والمنسوخ للامام الاجل ابی جعفر النحاس (م ۳۳۸ھ) میں صفحہ ۴ کے حاشیہ پر اس واعظ کا نام عبدالرحمٰن لکھا ہے اور یہ کہ یہ صاحب حضرت ابوموسی اشعریؓ کے رفیق تھے، لوگ ان کے اردگرد حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے ان سے سوالات کر رہے تھے اور یہ امر ونہی اور جائز وناجائز کو خلط ملط کر کے جواب دے رہے تھے، اس پر حضرت علیؓ نے یہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال و جواب فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

اسی اہمیت کی وجہ سے اس موضوع پر تصانیف کی بہتات ہے مثلاً کتاب الناسخ والمنسوخ کے علاوہ معرفۃ الناسخ والمنسوخ کے نام سے شیخ ابن حزم نے، اخبار الرسوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ کے نام سے علامہ ابن الجوزیؒ نے، الموجز فی الناسخ والمنسوخ کے نام سے ابن خزیمہ فارسی نے اور افادۃ الشیوخ فی الناسخ والمنسوخ کے نام سے مولانا صدیق بن حسن خاںؒ بھوپالی نے تصنیف فرمائی ہے۔

ناسخ ومنسوخ کی شناخت کرنا فن تفسیر کے نہایت مشکل مسائل میں سے ہے، اور دشواری کی سب سے بڑی وجہ متقدمین اور متاخرین کا نسخ کے معنی میں اختلاف ہے، اس لیے نسخ کے لغوی معنی اور متقدمین ومتاخرین کی اصطلاحوں کا فرق جاننا تفسیر کے ہر طالب علم کے لیے نہایت ضروری ہے۔

متقدمین کے نزدیک نسخ کی تعریف:

متقدمین کے نزدیک نسخ کی تعریف یہ ہے: إزالة بعض أوصاف الآية باية اخـــرى (یعنی ایک آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت کے ذریعہ زائل کرنا)، اس تعریف کے پیش نظر احکام میں جو بھی تبدیلی ہوگی اس کو نسخ سے تعبیر کیا جائے گا۔

متقدمین کے نزدیک نسخ کی صورتیں:

شاہ صاحب متقدمین کے نسخ کی تعریف کے رو سے نسخ کی سات صورتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) مدت عمل کی انتہاء کو بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

(۲) یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیرنے کے ذریعہ ہو۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(۳) یا قید کے اتفاقی ہونے کو بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

(۴) یا عام کی تخصیص کے ذریعہ ہو۔

(۵) یا منصوص اور اس پر بظاہر جس چیز کو قیاس کیا گیا ہے اس کے درمیان وجہ فرق بیان کرنے کے ذریعہ ہو۔

(۶) یا جاہلی رسموں میں سے کسی رسم کو مٹانے کے ذریعہ ہو۔

(۷) یا سابقہ شریعتوں میں سے کسی شریعت کو اٹھانے کے ذریعہ ہو۔

مثالیں:

زیر شرح عبارت میں شاہ صاحب نے متقدمین کی اصطلاح کی وضاحت کرتے ہوئے نسخ کی جو سات صورتیں بیان کی ہیں، ان کی مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی صورت کی مثال: "والّتی یاتین الفاحشة من نسائکم" الخ (سورۂ نساء آیت ۱۵) اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جن عورتوں نے بے حیائی (زنا) کا ارتکاب کیا ہو، ان کو ان کے گھروں میں مقید کردو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے، یا اللہ تعالی ان کے لیے کوئی اور صورت تجویز فرمائیں۔ بعد میں یہ حکم سورۂ نور کی دوسری آیت کے ذریعہ منسوخ ہوگیا یعنی اس حکم کی مدت عمل پوری ہوگئی۔

دوسری صورت کی مثال: "کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر" (سورۂ بقرہ آیت ۱۸۷) اس آیت میں خیط ابیض اور خیط اسود کے متبادر معنی ہیں: سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا، اور غیر متبادر معنی ہیں: دن کا اجالا اور رات کی تاریکی مگر من الفجر نے متبادر معنی کے احتمال کو ختم کردیا، اس لیے متقدمین کے نزدیک من الفجر ناسخ ہے۔

تیسری صورت کی مثال: "وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

التی دخلتم بھن" (سورۂ نساء آیت ۲۳) اس آیت میں فی حجورکم کی قید اتفاقی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ آگے ارشاد فرماتے ہیں: "فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم" اگر فی حجورکم کی قید احترازی ہوتی تو جواز کی صورت میں بھی اس قید کا تذکرہ ضروری تھا، پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے فان لم تکونوا دخلتم بھن الخ وربائبکم التی فی حجورکم کے لیے ناسخ ہے۔

چوتھی صورت کی مثال: "وان تبدوا ما فی انفسکم أو تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ" (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۴) میں جو عموم ہے، اس میں "لایکلف اللہ نفساً إلا وسعھا" (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶) کے ذریعہ تخصیص کی گئی ہے، پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے دوسری آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہوگئی۔

پانچویں صورت کی مثال: مشرکین عرب بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ وغیرہ جانوروں کو قربانی اور ہدی کے جانوروں پر قیاس کرکے ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کو جائز سمجھتے تھے، اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "ماجعل اللہ من بحیرۃ ولاسائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام" (سورۂ مائدہ آیت ۱۰۳) پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ آیت ناسخ ہوگی۔

چھٹی صورت کی مثال: زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرتے تھے، اس رسم بد کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہے: "ولا تنکحوا مانکح آباؤکم من النساء الا ماقد سلف" الخ (سورۂ نساء آیت ۲۲) نیز زمانۂ جاہلیت میں لوگ بیت اللہ شریف کا ننگے طواف کرتے تھے، اس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد" (سورۂ اعراف آیت ۳۱) پس متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ دونوں آیتیں جاہلی رسموں کے لیے ناسخ ہیں۔

ساتویں صورت کی مثال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں قتل عمد کی سزا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صرف قصاص تھی، اس میں ”فمن عفی لہ من اخیہ شیٔ فاتباع بالمعروف واداءٌ الیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ“ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۸) کے ذریعہ تخفیف کی گئی کہ چاہو تو قصاص لو اور چاہو تو دیت لو اور چاہو تو معاف کردو، لہذا متقدمین کی اصطلاح کے اعتبار سے یہ آیت شریعت سابقہ کے حکم کے لیے ناسخ ہے۔

(د) متاخرین کے نزدیک منسوخ آیات کی تعداد:

متاخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیتوں کی تعداد بہت کم ہے، خصوصاً اس توجیہ کے پیش نظر جو شاہ صاحب نے اختیار فرمائی ہے۔

چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ”الاتقان فی علوم القرآن“ میں بعض علماء سے مذکورہ بالا باتوں کو مناسب شرح وبسط کے ساتھ بیان کرنے کے بعد متاخرین کی اصطلاح کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ ابن العربی کی رائے کے موافق منسوخ آیتیں تحریر فرمائی ہیں، جو تقریباً بیس ہیں، ان میں سے پندرہ آیتوں کے منسوخ ہونے میں شاہ صاحب کو کلام ہے، اس لیے الفوز الکبیر میں شاہ صاحب علامہ سیوطی کے کلام کو بعینہ نقل فرما کر اس پر تبصرہ فرماتے ہیں۔

سوال (۲۱) الفوز الکبیر ص/۵۲

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) نسخ کے لغوی واصطلاحی معنی کرتے ہوئے بتائیں کہ متقدمین کے نزدیک نسخ کا کیا معنی ہے؟ (ج) عبارت میں مذکورہ مختلف اقوال کی روشنی میں آیت کی منسوخیت واضح کریں اور حضرت شاہ صاحب کی رائے بوضاحت لکھیے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

عبارت با اعراب: فَمِنَ الْبَقَرَةِ (۱) قوله تعالی: "كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ" اَلْآيَةِ مَنْسُوخَةٌ، قِيلَ: بِآيَةِ الْمَوَارِيثِ وَقِيلَ: بِحَدِيثِ: لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَقِيلَ بِالإِجْمَاعِ، حَكَاهُ ابْنُ الْعَرَبِي

قُلْتُ: بَلْ هِيَ مَنْسُوخَةٌ بِآيَةِ: "يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" وَحَدِيثُ "لَاوَصِيَّةَ" مُبَيِّنٌ لِلنَّسْخِ.

(الف) ترجمہ: پس سورۂ بقرۃ میں سے ہے: اللہ تعالی کا ارشاد: "کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت" الخ منسوخ ہے، کہا گیا کہ آیت میراث سے، اور کہا گیا کہ حدیث لاوصیة لوارث سے، اور کہا گیا کہ اجماع سے (منسوخ ہے) ان اقوال کو ابن العربی نے نقل کیا ہے۔

میں (یعنی شاہ صاحب) کہتا ہوں: بلکہ یہ آیت منسوخ ہے آیت "یوصیکم الله فی اولادکم" سے، اور حدیث: لاوصیة لوارث نسخ کی وضاحت کرنے والی ہے۔

(ب) نسخ کے لغوی واصطلاحی معنی:

نسخ کا لغوی معنی: نسخ کے متعدد معانی آتے ہیں (۱) ازالہ کرنا، مٹانا جیسے: فینسخ الله ما یلقی الشیطان (۲) تبدیل کرنا جیسے: واذا بدلنا آیةً مکان آیة (۳) تحویل یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا جیسے: تناسخ میراث یعنی میراث کا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کرنا (۴) نقل کرنا جیسے: نسخت الکتاب۔ (الاتقان ج۲/ص۲۰)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نسخ کا اصطلاحی معنی:

اصطلاح اصولیین میں نسخ کہتے ہیں "رفع حکم شرعیٍّ بدلیل شرعیٍّ (ابن کثیر ج ا، مناہل العرفان) کو یعنی کسی حکم شرعی کو کسی مؤخر دلیل شرعی کے ذریعہ اٹھادینے کو نسخ کہتے ہیں، نسخ کی ایک تعریف یہ بھی ہے "بیان انتهاء حکمٍ شرعیٍّ بطریقٍ شرعیٍّ متراخٍ عنه حتی لایجوز امتثاله" یعنی کسی حکم شرعی کی انتہاء بیان کرنا ایسے شرعی طریقے سے جو پہلے حکم شرعی سے مؤخر ہو یہاں تک کہ اس سے پہلے کے حکم شرعی پر عمل جائز نہ رہ جائے، اس کے علاوہ متعدد اہل علم نے الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ نسخ کی مختلف تعریفیں کی ہیں مگر سب کا خلاصہ یہی ہے کہ نسخ شریعت کے ایسے حکم کا نام ہے جس کا مقصد پہلے حکم کو ختم کرنا ہو اور یہ آخری حکم پہلے حکم سے متصل نہ ہو بلکہ اس سے کسی قدر مؤخر ہو۔

متقدمین کے نزدیک نسخ کا معنی:

صحابۂ کرام تابعین اور تبع تابعین کے نزدیک نسخ کے مفہوم میں بہت وسعت ہے، ان حضرات نے نسخ کو اس کے لغوی معنی "ازالة شیء بشیء" میں استعمال کیا ہے، پس بقول شاہ ولی اللہ کے ان کے نزدیک نسخ کی تعریف ہوئی۔

"ازالة بعض اوصاف الآية بآية اخریٰ" یعنی آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت کے ذریعہ زائل کرنا، اس تعریف کے پیش نظر احکام میں جو بھی تبدیلی ہوئی وہ نسخ کہلائی، خواہ اس حکم پر عمل کرنے کی انتہا بیان کر کے اسے بالکلیہ ختم کر دیا گیا ہو یا کلام کو متبادر معنی سے غیر متبادر معنی کی طرف پھیر دیا گیا ہو یا اس میں کس قید کے اتفاقی ہونے کو بیان کیا گیا ہو یا حکم عام کی تخصیص کی گئی ہو یا منصوص اور جس کو بظاہر اس پر قیاس کیا گیا ہو دونوں کے درمیان فرق بیان کیا گیا ہو یا کسی جاہلی رسم کو باطل کیا گیا ہو یا سابقہ شریعتوں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے کسی حکم شرعی کو ختم کیا گیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ متقدمین کے یہاں احکام میں جو بھی تبدیلی ہوئی وہ نسخ کہلائی خواہ حکم سابق کو بالکل ختم کر دیا گیا ہو یا تقیید و تخصیص کی وجہ سے یا مبہم و مجمل کے بیان کی وجہ سے کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو وہ سب نسخ میں داخل ہے، علامہ شاطبی تحریر فرماتے ہیں:

"فقد يطلقون على تقييد المطلق نسخاً وعلى تخصيص العموم بدليل متّصل نسخاً وعلى بيان المبهم والمجمل نسخاً كما يطلقون على رفع الحكم الشرعي بدليل شرعيٍّ متأخر نسخاً" (الموافقات للشاطبی ج ۳/ص ۷۳)۔

ترجمہ: یعنی متقدمین مطلق کو مقید کرنے، عام کو دلیل متصل یا غیر متصل کے ذریعہ خاص کرنے اور مبہم و مجمل کی وضاحت کو بھی نسخ کہتے ہیں جیسا کہ بعد میں آنے والی دلیل شرعی کی بنا پر پہلے حکم شرعی کو ختم کرنے کو نسخ کہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ متقدمین کے نزدیک نسخ کے مفہوم میں وسعت ہونے کی وجہ سے آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے بلکہ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو آیات منسوخہ کی تعداد صرف پانچ سو ہی نہیں بلکہ بیشمار ہو جائے گی "بل اذا خققت النظر تجدها غير محصورة" (الفوز الکبیر)۔

(ج) مختلف اقوال کی روشنی میں آیت مذکورہ کی منسوخیت کی وضاحت:

علامہ سیوطی نے آیت وصیت کے ناسخ کے بارے میں تین قول پیش فرمائے ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ آیت وصیت، آیت میراث "یوصیکم اللہ فی اولادکم" الأیۃ سے منسوخ ہے، حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت ابن عمر، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، شریح اور امام مالک وامام شافعی رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں (دیکھو

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اوجز ج ۵/ص ۲۶۰، ۳۷۷ وروح المعانی ج ۲/ص ۵۳) اور یہی راجح بھی ہے، کیونکہ دونوں آیتوں میں اس حیثیت سے کھلا تعارض ہے کہ آیتِ وصیت میں والدین اور اقربین کے حصوں کی تعیین نہیں کی گئی تھی جب کہ وصیت کو فرض قرار دیا گیا تھا، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حصص کی تعیین میں بندہ کو اختیار دیا گیا تھا، اور آیتِ میراث میں وہ اختیار سلب کر کے منجانب اللہ حصے متعین کر دیے گئے پھر "لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعاً" کہہ کر اس کی حکمت بھی بتادی کی حصص کی تعیین جن مضمر مصالح پر مبنی ہے تم ان سے ناآشنا ہو اس لیے ہم نے خود حصے متعین کر دیے ہیں۔

دوسرا قول: علامہ سیوطی کے مطابق بعض علماء کی رائے ہے کہ آیتِ وصیت حدیث نبوی (علی صاحبہ الصلوۃ والسلام) "الا لا وصیة لوارث" کے ذریعہ منسوخ ہے، اس قول کا تذکرہ رازی، آلوسی، ابوالسعود، قاضی ثناء اللہ صاحب پنی پتی، ابوجعفر النحاس وغیرہ نے کیا ہے لیکن قائل کے نام کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ آیت وصیت کا ناسخ اجماع ہے لیکن یہ قول معتبر نہیں، کیونکہ اجماع "اتفاقِ آراء" کا نام ہے، اور رائے شخص واحد کی ہو یا جماعت کی، قرآن کریم کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے، اس لیے جمہور کا مذہب ہے کہ اجماع "ناسخ" نہیں بن سکتا ہے، ہاں اجماع کو "کسی ناسخ کے وجود" کی دلیل بنایا جاسکتا ہے، چنانچہ قرطبی اسی راہ پر چلے ہیں۔

اور ضابطہ ہے: الاجماع لاینسخ ای لا ینسخه شیٔ ولاینسخ هو غیره لکن یدل علی ناسخ ای علی وجود ناسخ غیره. (تدریب الراوی علی تقریب النواوی ص ۳۸۴)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت شاہ صاحب کی رائے:

شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ آیتِ میراث ناسخ اور حدیث نبوی اس کی تفسیر ہے، یعنی آیتِ میراث میں حصوں کی تعیین کا مقصد ذوی الفروض کے حق میں وصیت پر پابندی عائد کرنا ہے میراث اور وصیت میں کسی کو تعارض نظر آئے یا نہ آئے حقِ میراث متعین ہو جانے کے بعد وصیت کا دروازہ ورثاء کے حق میں بند ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا وصیة لوارث" فرما کر آیتِ میراث کے اسی مقصد کی وضاحت فرمادی ہے۔

فائدہ آیات منسوخہ کے اقسام:

آیات منسوخہ کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ تلاوت اور حکم دونوں منسوخ کردیے گئے۔

۲۔ صرف حکم منسوخ کیا گیا تلاوت باقی رہی۔

۳۔ صرف تلاوت منسوخ کی گئی حکم باقی رہا۔

(۱) تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہونے کی شکل یہ ہوئی کہ عہد رسالت میں ان آیتوں کو بھلا دیا گیا اور دل ودماغ سے بالکل نکال دیا گیا جیسا کہ سورہ احزاب کے بارہ میں ہے کہ سورۂ بقرہ کے برابر تھی جس میں تقریباً تین سو آیتیں تھیں لیکن اب اس میں صرف ۷۳ آیتیں باقی ہیں، اسی طرح سورۂ طلاق بھی سورۂ بقرہ کے برابر تھی مگر اب اس میں صرف بارہ آیتیں ہیں۔

(۲) صرف حکم منسوخ ہوا تلاوت باقی رہی، مثلاً سورۂ مجادلہ کی یہ آیت:

"یا أیها الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقة" اسی سورۂ مجادلہ کی اگلی آیت "اأشفقتم ان تقدموا بین یدی نجواکم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

صدقات فإذا لم تفعلوا وتاب الله علیکم " الخ .سے حکما منسوخ ہے پہلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا تھا، دوسری آیت میں اس حکم کو منسوخ کردیا گیا اسی طرح کئی آیتیں ہیں جو حکما منسوخ ہیں لیکن ان کی باقاعدہ تلاوت کی جاتی ہے۔

(۳) تلاوت منسوخ ہوگئی حکم باقی رہا جیسے: "الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموا هما البتة" اس کی تلاوت منسوخ ہوچکی ہے مگر اس کا حکم باقی ہے کہ زانی بوڑھے اور زانی بڑھیا کو بھی رجم کیا جائے گا۔

فائدہ:

ناسخ ومنسوخ کی نوعیت کے اعتبار سے نسخ کی چار صورتیں ہیں:

۱۔ نسخ الکتاب بالکتاب ۲۔ نسخ السنة بالسنة

۳۔ نسخ السنة بالکتاب ۴۔ نسخ الکتاب بالسنة

نسخ کی پہلی دو صورتوں کے جواز میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، باقی دو صورتوں میں اختلاف ہے، احناف کے نزدیک نسخ کی چاروں صورتیں پیش آچکی ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) نسخ الکتاب بالکتاب: یعنی قرآن کی بعض آیتوں کا قرآن ہی کی بعض آیتوں سے منسوخ ہونا۔

(۲) نسخ الکتاب بالسنة: یعنی قرآن کا سنت کے ذریعہ منسوخ ہونا، اس سلسلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے، احناف، موالک اور جمہور متکلمین (اشاعرہ ومعتزلہ) نسخ الکتاب بالسنة کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کی طرح سنت بھی وحی الٰہی ہے بس فرق یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ ومعانی دونوں منجانب اللہ ہیں اور سنت کے الفاظ وتعبیرات

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اگر چہ رسول اللہ ﷺ کی ہیں لیکن معنی ومضمون کا القاء تو منجانب اللہ ہے، اسی لیے ارشاد ہے "وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" اور اسی فرق کی وجہ سے قرآن کو وحی متلو اور سنت کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے، لہٰذا سنت سے قرآن کا نسخ بھی وحی سے وحی کا نسخ قرار پایا، امام شافعیؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ اور اکثر اہل ظاہر نسخ الکتاب بالسنۃ کے خلاف ہیں۔

(۳) نسخ السنۃ بالکتاب: یعنی سنت کا کتاب اللہ سے منسوخ ہونا، اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں جن میں سے ایک مثال یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد سولہ سترہ مہینے تک اپنے طور پر بیت المقدس کی جانب منھ کر کے نماز پڑھتے رہے جب کہ استقبال بیت المقدس کے بارے میں قرآن میں کوئی نص نہیں تھی، پھر قرآن نے سنت سے ثابت شدہ استقبال بیت المقدس کو منسوخ کر دیا ارشاد ہوا "فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ".

(۴) نسخ السنۃ بالسنۃ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان احادیثنا ینسخ بعضھا بعضاً کنسخ القرآن (مشکوۃ کتاب العلم ص ۳۲) یعنی ہماری حدیثیں ایک دوسری کو اسی طرح منسوخ کرتی ہیں جس طرح قرآن کی آیتیں ایک دوسری کو منسوخ کرتی ہیں۔

سنت کی سنت سے منسوخ ہونے کی چار صورتیں ہیں:

(۱) سنت متواترہ کا سنت متواترہ سے منسوخ ہونا۔
(۲) سنت آحادیہ کا سنت آحادیہ سے منسوخ ہونا۔
(۳) سنت آحادیہ کا سنت متواترہ سے منسوخ ہونا۔
(۴) سنت متواترہ کا سنت آحادیہ سے منسوخ ہونا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قیاس واجماع کے ذریعہ نسخ:

قیاس کے ذریعہ نسخ: قیاس کے ذریعہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا، حضرات صحابہ کرام کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے خواہ وہ سنت خبر واحد ہی کیوں نہ ہو قیاس ورائے پر عمل نہیں کرتے تھے، حضرت علی فرماتے ہیں اگر دین کا دار مدار قیاس پر ہوتا تو خفین (چمڑے کے موزے) کے اوپر والے حصہ پر مسح کرنے کے بجائے نچلے حصہ پر مسح کرنا چاہیے تھا، (کیونکہ کہ آدمی پاؤں کے نچلے حصہ کو زمین پر رکھ کر چلتا ہے نہ کہ اوپر کے حصہ کو) مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ظاہر خف پر مسح فرماتے تھے باطن خف (نچلے حصے) پر نہیں (نور الانوار ص/۱۲۰)۔

اسی طرح قیاس کے ذریعہ اجماع کو بھی منسوخ کیا جا سکتا کیوں کہ اجماع کی بنیاد کتاب وسنت پر ہوتی ہے اگر قیاس کے ذریعہ اجماع کو منسوخ کیا جائے تو گو قیاس کے ذریعہ خود کتاب وسنت کو منسوخ کر دیا گیا اور یہ قطعاً جائز نہیں۔

اسی طرح ایک قیاس دوسرے قیاس کے لیے بھی ناسخ نہیں ہوگا کیوں کہ اگر دونوں قیاس زمان واحد میں باہم متعارض ہوں گے تو مجتہد کو اختیار ہوگا کہ اس کا دل جس قیاس پر عمل کرنا چاہے کر لے اور ظاہر ہے اس طرح کسی ایک قیاس پر عمل کرنے کو اصطلاحاً نسخ نہیں کہا جا سکتا، اور اگر دونوں قیاس دو الگ الگ زمانوں میں کئے گئے ہوں گے تو مجتہد آخری قیاس پر یہ سمجھ کر عمل کرے گا کہ قیاس اول صحیح نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ اس کو بھی اصطلاح میں نسخ نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ نسخ نام ہے حکم اول کی انتہا اور اس کے بقائے حسن کی آخری حد بیان کرنے اور دوسرے حکم کے ذریعہ پہلے حکم کو تبدیل کرنے کا نہ کہ پہلے حکم کو غلط قرار دینے کا۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اجماع کے ذریعہ نسخ:

"اجماع" بھی ادلۂ شرعیہ (کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) میں سے کسی کو بھی منسوخ نہیں کرسکتا کیوں کہ اجماع نام ہے کسی ایک زمانے کے مجتہدین صالحین کا کسی مسئلہ پر متفق ہوجانے کا نورالانوار میں ہے: "**الاجماع فی الشریعۃ اتفاق المجتہدین الصالحین من امۃ محمدٍ فی عصرٍ واحدٍ علی امرٍ قولیٍّ او فعلیٍّ**" لیکن جس طرح قیاس ورائے کے ذریعہ حسن وقبح کی انتہا اور آخری حد کو نہیں معلوم کیا جاسکتا، اسی طرح اجماع کنندگان کو بھی نہیں معلوم کہ کتنی مدت کے حالات وزمانے میں کیا تغیر پیدا ہوگا، پھر اس کے بعد اجماع کا حسن اور اس کی افادیت ختم ہوجائے گی اور نئے اجماع کی ضرورت پیش آئے گی اور وہ اجماع ثانی ہمارے اجماع اول کے لیے ناسخ ہوگا، اس کے برخلاف کتاب وسنت کے احکام میں نسخ وتبدیلی اس لیے ہوتی رہی کہ اللہ تعالی عالم الغیب والشہادہ ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سے جانتا تھا اور طے کیے ہوئے تھا کہ اتنی مدت کے بعد اپنے فلاں حکم کو بدل دوں گا پھر یا تو اس سے زیادہ حسین اور عمدہ حکم نازل کروں گا یا کم از کم اسی جیسا حسین وخوبصورت حکم دوں گا، "**ماننسخ من آیۃ یو ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا**" لیکن علامہ فخرالاسلام بزدوی کی رائے ہے کہ "**یجوز نسخ الاجماع بالاجماع**" یعنی اجماع آخر کے ذریعے اجماع اول کو منسوخ کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ اجماع کسی مصلحت شرعی کے پیش نظر منعقد کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہ مصلحت بدل جائے گی تو دوسرا اجماع منعقد کیا جائے گا اور وہ اجماع اول کے لیے ناسخ ہوگا (مناہل العرفان ج۲/ص۲٦۰)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

﴿سوال (۲۲) الفوز الکبیر ص/۵۳﴾

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) عبارت میں مذکورہ اقوال کی وضاحت کرنے کے بعد شاہ صاحب کی رائے لکھئے (ج) منسوخ آیات کی تعداد شاہ صاحب کے نزدیک کتنی اور کیا کیا ہیں بوضاحت تحریر کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: قوله تعالى: "وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طعَامُ مسكِينٍ" قيل: مَنْسُوْخَةٌ بِقَوْلِهٖ تَعَالىٰ: "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ" وَقِيْلَ: مُحْكَمَةٌ، وَلَامُقَدَّرَةٌ.

(الف) ترجمہ: ارشاد خداوندی "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" کہا گیا کہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" سے، اور کہا گیا کہ محکم ہے، اور "لا" پوشیدہ ہے۔

(ب) عبارت میں مذکورہ اقوال کی وضاحت:

متن میں اولاً آیتِ کریمہ کے نسخ واحکام کے سلسلہ میں اسلاف کے دو نظریے پیش کیے گئے ہیں، پھر ماتنؒ نے اپنی رائے پیش کی ہے، لیجئے پہلے اسلاف کے اقوال کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:

پہلا نظریہ: آیت کریمہ "وعلى الذين يطيقونه فدية" منسوخ ہے۔ اس کا ناسخ ارشادِ ربانی: "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں، علامہ ابوجعفر النحاسؒ نے اسے اصح قرار دیا ہے، حضرت ابن عباسؓ کا بھی ایک قول اسی نظریہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے مطابق ہے، جب کہ دوسرا قول اس کے خلاف ہے کما سیأتی۔

دلیل: امام بخاری ومسلم کے علاوہ ابوداؤد وترمذی، نسائی اور طبرانی وغیرہ نے حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی نقل فرمایا ہے: "لما نزلت هذه الآية "وعلى الذين يطيقونه" كان من شاء منا صام ومن شاء افطر ويفتدى فعل ذلك حتى نزلت الآية التي بعدها: فمن شهد منكم الشهر فليصمه" فنسختها، وهذا مروى عن ابن مسعودؓ ومعاذ وابن عمرؓ وغيرهم. یعنی ابتداء زمانۂ اسلام میں جب روزے فرض ہوئے (چونکہ اہل اسلام اس کے عادی نہیں تھے اس وجہ سے روزوں کا شاق گذرنا قرین قیاس اور بشریت کے عین مطابق تھا، لہذا رب العالمین کی طرف سے یہ چھوٹ بھی رہی کہ استطاعت کے باوجود جس کا جی چاہے روزے نہ رکھے بلکہ اس کا فدیہ ادا کردے، اسی کے مطابق صحابۂ کرام کا عمل رہا، یہاں تک کہ ارشاد ربانی: "فمن شهد منكم الشهر" الآیۃ کا نزول ہوا، اور یہ اختیار منسوخ ہوگیا۔

دوسرا نظریہ: یہ ہے کہ آیت محکم وغیر منسوخ ہے، اور آیت کا مصداق وہ لوگ ہیں جنھیں انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو، یہ نظریہ صحابہؓ میں حضرت ابن عباس وحضرت علیؓ اور تابعینؒ میں سعید بن المسیبؒ وعکرمہ سے منقول ہے، نفی استطاعت کا معنی لینے کے لیے تین توجیہیں کی گئی ہیں۔ (۱) فعل سے پہلے "لا نافیہ" مقدر ہے، چنانچہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے "لایطیقونہ" منقول ہے۔ (۲) فعل میں ہمزۂ اِفعال سلبِ ماخذ یعنی نفی استطاعت کے لیے ہے۔ (۳) يطيقونه كانوا يطيقونه کے معنی میں ہے، یعنی وہ بوڑھے جن میں جوانی میں روزہ رکھنے کی استطاعت تھی پھر بڑھاپے کی وجہ سے بے بس ہوگئے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شاہ صاحب کی رائے:

شاہ صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ آیتِ کریمہ محکم و غیر منسوخ ہے اور روزے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اس آیتِ میں صدقۃ الفطر کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگ فدیہ یعنی طعام مسکین یا صدقۃ الفطر پر قادری نہ ہوں ان کے ذمہ فدیہ (صدقۂ فطر) واجب ہے، اس توجیہ پر سیاق وسباق کی آیتیں واقعی اور عملی ترتیب کے مطابق ہو جاتی ہیں، کہ اولاً "کتب علیکم الصیام" میں روزوں کا حکم فرمایا، ثانیاً وعلی الذین یطیقونہ الآیۃ. میں صدقۂ فطر واجب فرمایا، پھر "ولتکبروا اللہ علی ما ھدٰکم" میں نمازِ عید کا ذکر فرمایا ہے، اس صورت میں یطیقونہ کی ضمیر منصوب کا مرجع فدیۃٌ ہوگا، جب کہ جمہور کے نزدیک اس کا مرجع "الصیام" ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

فائدہ:

شاہ صاحبؒ کی توجیہ پر نحوی حیثیت سے دو اشکال وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اشکال: ضمیر پہلے ہے اور فدیہ بعد میں، لہٰذا اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے۔

مصنف علام نے جواب دیا: "فاضمر قبل الذکر لانہ متقدم رتبۃً" جس کا مطلب یہ ہے کہ "وعلی الذین یطیقونہ" خبر مقدم اور فدیۃٌ الخ مبتداء مؤخر ہے، لہٰذا فدیۃٌ رتبۃً مقدم ہے اضمار قبل الذکر نہیں لازم آرہا ہے۔

دوسرا اشکال: فدیۃ مؤنث ہے اور اس کی ضمیر مذکر ہے، لہٰذا ضمیر اور اس کے مرجع میں مطابقت نہیں پائی گئی، مصنف نے اپنے قول: "وذکر الضمیر لان المراد من الفدیۃ ھو الطعام" سے اشکال کا جواب دیا ہے کہ چونکہ فدیہ سے مراد طعام ہے اور طعام مذکر ہے، لہٰذا ضمیر و مرجع میں معنیً مطابقت ہوگئی۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جواب پر اشکال: جیسا کہ آپ نے فرمایا: فدیہ سے طعام مراد ہے اور طعام مذکر ہے لہٰذا فدیہ مذکر کے حکم میں ہے، اسی طرح معترض کہہ سکتا ہے کہ آپ کی توجیہ کے مطابق طعام سے صدقۃ الفطر مراد ہے، لہٰذا طعام مؤنث کے حکم میں ہے اس لیے "ضمیر مذکر اور مرجع مؤنث" ہونے کا اشکال اپنی جگہ برقرار رہا؟

جواب: حضرت ماتنؒ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ضمیر کا مرجع فدیہ ہے، لیکن فدیہ چونکہ طعام کے معنی میں ہے لہٰذا حکماً مذکر ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع لفظ طعام ہے، کیونکہ فدیہ مبدل منہ اور طعام بدل ہے، اور بدل الکل میں بدل ہی مقصودِ متکلم ہوتا ہے لہٰذا اسی کو مرجع بنانا اولیٰ ہے۔

علامہ بنوریؒ کا ارشاد:

شاہ صاحبؒ کی رائے پر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مایۂ ناز شاگرد محدثِ کبیر علامہ محمد یوسف بنوری متوفی (۱۳۹۷ھ) نے یہ نوٹ لکھا ہے۔

"ان كان هذا من باب الاشارة في الآية يمكن ان يكون لطيفاً ولكن باب الرواية يسدُّ امثال هذه المداخل وسياق الآية بعده (فمن تطوع خيراً فهو خيرٌ له، وان تصوموا خيرلكم) لا يلائمه ولاسيما هذ الاخير وعلى ما قاله لايكون هذا مرتبطاً في النظم" (معارف السنن ج ۵/ص ۵۲۳)۔

ترجمہ: یعنی یہ توجیہ اشارۃ النص کے قبیل سے ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے لطیف وعمدہ ہو، لیکن نقل وروایات کے باب میں اس قسم کی راہوں پر پابندی عائد ہے، اور اگلی آیت "فمن تطوع الخ" بالخصوص اس کا آخری حصہ "وان تصوموا خيرلكم" اس تفسیر سے میل نہیں کھاتا ہے، کیونکہ اس جزء میں صیام کو فدیہ سے بہتر عمل اور اس کا نعم

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

البدل قرار دیا ہے، جب کہ صدقۂ فطر کے بدل کی حیثیت سے صیام کا کوئی اعتبار نہیں۔
حضرت الاستاذ نے بھی نقد کیا ہے لکھتے ہیں: یہ توجیہ انتہائی بعید ہے، اگر چہ اسے علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے لطائفِ رشیدیہ میں اختیار کیا ہے۔ (العون ص/۱۷۳)

سوال (۲۳) الفوز الکبیر ص/۵۳

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) عبارت مذکورہ کی تشفی بخش تشریح کریں (ج) اس آیت کی منسوخیت اور عدم منسوخیت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کی رائے کیا ہے؟

الجواب

عبارت با اعراب: قوله تعالى: "أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَاءِ كُمْ" نَاسِخَةٌ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى: يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" لِأَنَّ مُقْتَضَاهَا الْمُوَافَقَةُ فِيْمَا كَانَ عَلَيْهِمْ مِنْ تَحْرِيْمِ الْأَكْلِ وَالْوَطْءِ بَعْدَ النَّوْمِ؛ ذَكَرَهُ اِبْنُ الْعَرَبِيِّ؛ وَحكى قَوْلاً آخَرَ: أَنَّهُ نَسْخٌ لِمَا كَانَ بِالسُّنَّةِ.

(الف) ترجمہ: ارشادِ خداوندی: "أُحل لكم ليلة الصيام الرفث الى نساء كم" ناسخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "يايها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم" کے لیے، اس لیے کہ اس آیت کا مقتضیٰ موافقت کرنا ہے ان (احکام) میں جو ان پر لازم تھے، یعنی سونے کے بعد کھانے اور صحبت کی تحریم (میں موافقت کرنا) اس (قول) کو ابن العربی نے نقل کیا ہے اور دوسرا قول یہ نقل کیا ہے کہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

یہ نسخ ہے اس (طریقہ) کا جو حدیث سے ثابت تھا۔

(ب) عبارت مذکورہ کی تشریح:

جمہور فقہاء و مفسرین اس پر متفق ہیں کہ ابتداء اسلام میں رمضان کی راتوں میں عشاء کی نماز پڑھنے یا نیند آنے سے پہلے ہی پہلے تک کھانے پینے یا جماع وغیرہ کی اجازت ہوتی تھی، اس کے بعد سب پر پابندی عائد ہوجاتی تھی، پھر آیت کریمہ: "احل لکم الخ" سے یہ حکم منسوخ ہوگیا، لیکن ملتِ اسلامیہ میں اس حکم کی مشروعیت کس دلیل سے ہوئی تھی اس میں اختلاف ہے، متن میں ابن العربیؒ کے حوالہ سے دو قول پیش کیے گئے ہیں۔

پہلا قول: یہ ہے کہ یہ حکم آیت "یٰأیها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم" سے مشروع ہوا تھا (جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ امتِ محمدیہ پر روزے اس طرح فرض کیے گئے ہیں جیسے گذشتہ اقوام وامم کے اوپر فرض کیے گئے تھے) کیونکہ یہ تشبیہ "احکام صیام" میں ہے، یعنی گذشتہ اقوام کے لیے روزے جن احکام کے ساتھ مشروع تھے امتِ محمدیہ ﷺ کے لیے بھی ان ہی احکام کے ساتھ مشروع ہوئے ہیں، ان حضرات کا خیال ہے کہ "صحابۂ کرام کا یہ عقیدہ کہ رمضان کی رات میں سوجانے کے بعد یا عشاء کی نماز سے فارغ ہوجانے کے بعد کھانا پینا اور جماع وغیرہ ممنوع ہوجاتے ہیں" (جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے) اسی آیتِ کریمہ سے ثابت ومستفاد تھا۔

امام بخاریؒ نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی ہے "کان اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم اذا کان الرجل صائماً فحضر الافطار فنام قبل ان یفطر لم یاکل لیلته ولا یومه حتی یمسیَ". (روائع ج ۱/ص ۱۹۴) اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے کعب بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے "کان الناس فی رمضان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اذا صام الرجل فنام حرم علیه الطعام والشراب النساء" (روح ج ۲/ص ۹۴).
لہٰذا ارشادِ ربانی "احل لکم الخ" آیت کریمہ کتب علیکم الخ کے لیے ناسخ ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ حکم سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مشروع ہوا تھا، لہٰذا "احکم لکم الخ" حکم ثابت بالسنۃ کے لیے ناسخ ہے نہ کہ آیت کے لیے، لہٰذا آیتِ صیام محکم وغیر منسوخ ہے۔

شاہ صاحبؒ کی رائے:

"قلت معنی کما کتب" سے حضرت نے اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے جس میں سابقہ دونوں اقوال کی مخالفت ہے، پہلے قول کی مخالفت میں معنی کما کتب الخ فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں فرض ہونے کی حیثیت سے تشبیہ دی گئی ہے (کہ روزے ان پر بھی فرض تھے تم پر بھی فرض ہیں) اس تشبیہ اور بیانِ مشارکت کا دوسرے احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور قولِ ثانی کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا: "ولم نجد دلیلا"، کہ ہمیں کوئی حدیث ایسی نہیں مل سکی جس سے یہ معلوم ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کو ان احکام کا مکلف کیا تھا، لہٰذا اسے ثابت بالسنۃ کہنا بھی مشکل ہے، معلوم ہوا کہ احل لکم الخ سے سابقہ شریعتوں کا حکم منسوخ کیا گیا ہے، اس لیے متاخرین کی رائے میں اس پر نسخ کی تعریف نہیں صادق آسکتی ہے۔

تسلیمی جواب: اوپر شاہ صاحبؒ کے انکاری جوابوں کی تفصیل تھی جن کا تعلق سابقہ دونوں اقوال سے تھا، آپ نے "ولو سلم" سے ایک تسلیمی جواب بھی لکھا ہے، جس کا تعلق قولِ اول سے ہے، حاصل یہ ہے کہ اگر ملتِ اسلامیہ میں ان احکام کی مشروعیت تسلیم کرلی جائے تو ان کا ثبوت سنتِ نبوی سے ہوگا، آیت صیام بہرحال محکم وغیر منسوخ ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نوٹ:

جمہور کی رائے کے مطابق یہ احکام شریعتِ محمدیہ میں نافذ و معتبر تھے، لیکن ابو مسلم اصفہانی کے خیال میں شریعتِ محمدی کا کوئی بھی حکم منسوخ نہیں ہوا، لہذا یہ حکم منسوخ اس شریعت کا حکم ہو ہی نہیں سکتا ہے، امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جمہور کے دلائل رقم فرمائے ہیں، اور ان دلائل کے سلسلہ میں ابو مسلم اصفہانی کے تردیدی اقوال بھی نقل کئے ہیں، لیکن ان میں زور نہیں ہے۔

﴿سوال (۲۴) الفوز الکبیر ص/۵۳﴾

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) عبارت کی مکمل تشریح کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: (۴) قولہ تعالی: "يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ" اَلْاٰيَةَ مَنْسُوْخَةٌ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى: "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً" اَلْاٰيَةَ أَخْرَجَهُ ابْنُ جَرِيْرٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ مَيْسَرَةَ، قُلْتُ: هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَاتَدُلُّ عَلٰى تَحْرِيْمِ الْقِتَالِ، بَلْ تَدُلُّ عَلٰى تَجْوِيْزِهٖ، وَهِيَ مِنْ قَبِيْلِ تَسْلِيْمِ الْعِلَّةِ وَإِظْهَارِ الْمَانِعِ؛ فَالْمَعْنٰى: أَنَّ الْقِتَالَ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ كَبِيْرٌ شَدِيْدٌ، وَلٰكِنَّ الْفِتْنَةَ أَشَدُّ مِنْهُ، فَجَازَ فِيْ مُقَابَلَتِهَا؛ وَهٰذَا التَّوْجِيْهُ ظَاهِرٌ مِنْ سِيَاقِهَا، كَمَا لَايَخْفٰى.

(الف) ترجمہ: ارشادِ خداوندی: "يسئلونك عن الشهر الحرام" منسوخ ہے اللہ تعالی کے ارشاد "وقاتلوا المشركين كافة" سے یہ روایت نقل کی ہے ابن جریر نے عطاء بن میسرہ سے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

میں کہتا ہوں کہ: یہ آیت دلالت نہیں کرتی قتال کی حرمت پر، بلکہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، اور یہ آیت علت کو تسلیم کرنے اور مانع کو ظاہر کرنے کے قبیل سے ہے (یعنی علت اگر چہ پائی جارہی ہے مگر مانع کی وجہ سے حکم نہیں پایا جارہا) لہذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ ماہ حرام میں قتال کرنا بڑا سخت گناہ ہے، لیکن فتنہ پردازی اس سے بھی زیادہ سخت ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں قتال جائز ہے اور یہ توجیہ آیت کے سیاق (یعنی مابعد کے مضمون) سے ظاہر ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔

(ب) عبارت کی تشریح:

پہلے آیتِ منسوخہ مع ترجمہ وشانِ نزول ملاحظہ کریں۔

"یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير وصدٌّ عن سبيل الله وكفرٌ به والمسجد الحرام واخراج اهله منها اكبر عندالله والفتنة اكبر من القتل ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا "الآية.

ترجمہ: لوگ آپ سے شہرِ حرام میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اس میں خاص طور پر (یعنی عمداً) قتال کرنا جرمِ عظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ، اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے ان کو اس سے خارج کر دینا جرمِ اعظم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بدرجہا بڑھ کر ہے، اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پاویں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ (حضرت تھانویؒ)

جمہور مفسرینؒ نے: "قل قتال فيه كبيرٌ" کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ اصلاً اشہرِ حرم (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں قتال حرام وممنوع ہے، مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ لکھتے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہیں کبیرٌ ای عظیم وزرا، وفیہ تقریر لحرمۃ القتال فی الشھر الحرام .(روح ج۲/ص۱۰۸)امام المعقولات فخر الدین رازیؒ رقم طراز ہیں:"اتفق الجمھور علی ان حکم ھذہ الآیۃ حرمۃ القتال فی الشھر الحرام" (کبیر ج۲/ص۳۱۹).

مختصر شان نزول:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ کا ایک سفر میں اتفاق سے کفار کے ساتھ مقابلہ ہوگیا، ایک کافران کے ہاتھ مارا گیا، اور جس روز یہ قصہ ہوا رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر صحابہ اس کو جمادی الاخری کی تیس سمجھ رہے تھے اور رجب اشہر حرم میں سے ہے، کفار نے اس واقعہ پر طعن کیا کہ مسلمانوں نے شہر حرام کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا، مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اور بعض روایات میں ہے کہ خود بعض کفار قریش نے بھی حاضر ہوکر اعتراضاً سوال کیا (جس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی (بیان القرآن ج۱/ص۱۲۲).

تشریح:

متن میں آیتِ کریمہ "یسئلونک الخ"کو منسوخ بتایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حرم میں قتال کی حرمت منسوخ ہے آیت کی منسوخیت پر رازیؒ وآلوسیؒ اور ابوجعفر النحاسؒ نے اجماع نقل کیا ہے، اور شیخ ابوجعفر نے ابن عباسؓ کے ساتھ سعید بن المسیبؒ، سلیمان ابن یسارؒ، حضرت قتادہؒ اور امام الشام عبدالرحمٰن اوزاعیؒ کے نام کی تصریح بھی کی ہے۔

رہا مسئلہ اس آیت کے ناسخ کا، تو اس سلسلہ میں دو قول مشہور ہیں: (۱) ابن جریر نے عطاء بن میسرہ سے نقل کیا ہے کہ اس حکم کا ناسخ سورۂ توبہ کی آیت:" وقاتلوا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

المشرکین کافۃً کما یقاتلونکم کافۃ" الآیۃ۔ ہے۔(۲) اکثر مفسرین کے مطابق یہ حکم سورۂ توبہ ہی کی آیت "فاذا انسلخ الاشھر الحرام فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم" سے منسوخ ہے، اور یہی حضرت ابن عباسؓ کی بھی رائے ہے، فرمایا: "فکان القتال محظوراً حتی نسختھا آیۃ السیف فی براءۃ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم"۔

ایک تیسرا قول جو غیر مشہور ہے حضرت قتادہؒ کا ہے کہ دونوں آیتیں ناسخ ہیں۔

طریقۂ استدلال: فاذا انسلخ الاشھر الحرم. میں اشہر حرم سے معروف اشہر حرم (ذی قعدہ وغیرہ) نہیں بلکہ اعلانِ براءۃ کے وقت (یعنی دس ذی الحجہ) سے لے کر دس ربیع الثانی تک کا زمانہ مراد ہے، جس میں مشرکین کو سیر و تفریح کی مہلت دی گئی تھی، کما قال تعالیٰ: "فسیحوا فی الارض اربعۃ اشھر" لہٰذا قتال مع المشرکین کے حکم کو انسلاخِ اشہر حرم (مدتِ مہلت کے اختتام) کی شرط کے ساتھ مشروط کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان مہینوں کے گذر جانے کے بعد مشرکین کے ساتھ قتال کا حکم ہمیشہ اور ہر مقام کے لیے عام ہے، "فالتقیید بھا یفید ان قتلھم بعد انسلاخھا مامورٌ بہ فی جمیع الامکنۃ والازمنۃ" (روح المعانی)۔

خلاف جمہور امام تفسیر عطاء بن ابی رباح قسم کھا کر فرماتے تھے: "ما یحل للناس ان یغزوا فی الحرم ولا فی الشھر الحرام الا ان یقاتلوا فیہ" کہ حرم میں جنگ کرنا لوگوں کے لیے حلال نہیں ہے، اور نہ اشہر حرم میں، الّا یہ کہ ان سے قتال کیا جائے، تو دفاعی و جوابی کارروائی کریں۔ (روحانی المعانی)

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کا ارشاد گرامی:

اشہر حرم میں قتل و قتال کی حرمت منسوخ ہونے کا کوئی کس طرح دعویٰ کر سکتا ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جب کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ان عدۃ الشھور عند اللہ، اثنا عشر شھراً فی کتاب اللہ یوم خلق السموت والارض منھا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم فلاتظلموا فیھن انفسکم" الآیۃ (ترجمہ آیت). بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں بارہ مہینے ہیں جس دن کہ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ان میں چار مہینے حرام ہیں، یہ مضبوط دین ہے، پس اس مہینوں میں (قتل وقتال کرکے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو الخ، یہ آیت قتال کی آیتوں میں سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے، یہی آیت سیف ہے جو ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی ہے، اور اس میں ان مہینوں کے حرام ہونے کا ذکر ہے، لہذا اس سے یہ خصوصیت ثابت ہوئی کہ ان مہینوں کے علاوہ ہی کسی مہینہ میں قتل وقتال کرنا واجب ہے (ان میں جائز نہیں)۔ واللہ اعلم

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو مہینے قبل حجۃ الوداع میں عرفہ کے روز کا خطبہ (جو حضور نے پڑھا تھا) ان اشہر حرم میں قتل وقتال کرنے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ آپ نے اس میں فرمایا تھا: سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں ان میں سے چار مہینے حرام ہیں، تین پے بہ پے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب۔ (تفسیر مظہری اردو ج ۱/ص ۴۳۵)۔

جواب:

قاضی صاحبؒ کے استدلال کا دارومدار اس پر ہے کہ قرآن وحدیث میں ان چار مہینوں کو "اشھر حرم" کہا گیا ہے، لہذا ان میں قتال حرام ہوگا، پھر اسی خیال کے پیش نظر "فلاتظلموا فیھن انفسکم" کی تفسیر میں ظلم سے قتال فی الشہر الحرام مراد لے کر اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جس کی مختلف وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ: ان مہینوں کو "اشھر حرم" کہنے سے ان کا محترم ہونا تو ضرور سمجھ میں

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

آتا ہے، لیکن قتال کی حرمت نہ قرآن میں مذکور ہے نہ حدیث میں، بلکہ آیتِ کریمہ کا سیاق قتال کی اجازت پر دال ہے، کیونکہ "اربعۃ حرم" پر تفریع کرتے ہوئے فرمایا: "فلا تظلموا فیھن انفسکم وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ" کہ ان مہینوں کے احترام میں معاصی اور باہمی ظلم وزیادتی سے باز رہو، اور مشرکین سے قتال کرو، الواو للجمع المطلق، ظلم کی ممانعت پر قتالِ مشرکین کا عطف جب کہ ان کی تفریع مہینوں کے محترم ہونے ہی پر کی گئی ہے، کم از کم قتال کے جواز پر دلالت کرتا ہے، ورنہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نور اللہ قدہ نے تو ان مہینوں میں دوسرے امور خیر کی طرح قتال کو بھی افضل لکھا ہے۔

دلیل یہ دی ہے کہ جیسے مکان کی شرافت عظمت سے اعمال کی فضیلت میں اضافہ ہوتا ہے اسی طرح وقت وزمان کی عظمت سے بھی اعمال کی عظمت کو چار چاند لگتا ہے۔

دوسری وجہ: آیت کریمہ: "فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم قل قتال فیہ کبیر" کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کے بعد "اربعۃ حرم" والی آیت کا نزول ہوا، خطبۂ حجۃ الوداع بھی اس سے مؤخر ہے، انسلاخِ اشہر حرم والی آیت حرمتِ قتال کے لیے ناسخ ہے کیونکہ ثبوتِ جزاء کو مستلزم ہوا کرتا ہے، اب اگر حجۃ الوداع کے خطبہ اور "اربعۃ حرم" کو حرمتِ قتال پر محمول کیا جائے تو دوبارہ نسخ لازم آئے گا۔

تیسری وجہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام مسلسل غزوات کرتے رہے، لیکن تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ اشہر حرم ان حضرات کے لیے جنگ بندی یا آغاز جنگ میں تاخیر کا سبب بنے ہوں، (ان امور کی تصدیق اور مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ کریں احکام القرآن ج ۱/ص ۲۷۰ تا ۲۷۳ مصنفہ مولانا ظفر احمد عثمانی ومفتی شفیع احمد صاحب دیوبندی رحمہما اللہ تعالی)

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شاہ صاحبؒ کی رائے:

آپ نے سورۂ بقرہ کی اس چوتھی آیت منسوخہ کے بارے میں قلت ہذہ الآیۃ سے اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے کہ آیت کے اندر شہر حرام میں قتال کو کبیر (بڑا جرم) اور اس کے بالمقابل مشرکین کی ناجائز حرکتوں کو اکبر (بہت بڑا جرم) بتایا گیا ہے، اور بڑے جرائم کی روک تھام کرنے والے کی ایسی غلطیاں، جو ان جرائم سے کم درجہ کی ہوں، قابلِ عفو اور مباح ہوتی ہیں، اسی بات کو علمی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں ''حرمتِ قتال کی علت (شہر حرم کا وجود) تو تسلیم ہے لیکن فتنوں کے زور کی وجہ سے علت مؤثر نہیں ہو سکتی اور جب علت غیر مؤثر ہوگئی تو حرمت اٹھ گئی اور حلت آ گئی'' لہذا آیتِ کریمہ سے شہر حرام میں قتال کی اجازت ثابت ہوئی۔

خلاصہ:

جمہورؒ کے نزدیک آیت کریمہ سے مطلق قتال کی حرمت ثابت ہوتی ہے خواہ اقدامی ہو یا دفاعی، عطاء بن ابی رباحؒ کے نزدیک آیت سے صرف دفاعی قتال کی حلت کا ثبوت ہوتا ہے، اقدام کی حرمت حسب سابق باقی ہے۔

شاہ صاحبؒ کے خیال میں آیت سے مطلق قتال کی اجازت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ مقصد بہر صورت دفعِ شر و دفعِ فتنہ ہی ہے۔

سوال (۲۵) الفوز الکبیر ص/ ۵۵

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) بتائیں کہ آیت مذکورہ منسوخ ہے یا محکم؟ بہر دو صورت اس آیت کا معنی و مطلب لکھئے پھر محکم ہونے کی توجیہ کی وضاحت کریں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

الجواب

عبارت با اعراب: قَوْلُهُ تَعَالٰی: "اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ" قِیْلَ: اِنَّهٗ مَنْسُوْخَةٌ بِقَوْلِهٖ: "فَاتقوا اللہ مااسْتَطَعْتُمْ" وَقِیْلَ: لَا، بَلْ هُوَ مُحْكَمٌ.

وَلَیْسَ فِیْهَا آیَةٌ یَصِحُّ فِیْهَا دَعْوَی النَّسْخِ غَیْرَ هٰذِهِ الْاٰیَةِ.

قُلْتُ: "حَقَّ تُقَاتِہٖ" فِی الشِّرَاکِ وَالْکُفْرِ وَمَا یَرْجِعُ اِلَی الْاِعْتِقَادِ، وَ"مَا اسْتَطَعْتُمْ" فِی الْاَعْمَالِ.

(الف) ترجمہ: ارشاد خداوندی "اتقوا اللہ حق تقاتہ" ہے، کہا گیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "فاتقوا اللہ مااستطعتم" سے، اور کہا گیا کہ نہیں بلکہ محکم ہے۔ اور اس (سورت) میں ایسی کوئی آیت نہیں جس کے بارے میں نسخ کا دعویٰ صحیح ہو سوائے اس آیت کے۔

میں کہتا ہوں کہ: حق تقاتہ (کا حکم) شرک وکفر اور ان امور کے بارے میں ہے جو اعتقاد کی طرف لوٹتے ہیں، اور مااستطعتم (کا حکم) اعمال کے بارے میں ہے۔

(ب) آیت مذکورہ منسوخ ہے یا محکم؟ ہر دو صورت میں آیت کا مطلب، اور محکم ہونے کی صورت میں آیت کی توجیہ کی وضاحت:

آیت کریمہ: "یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رب العالمین سے کما حقہ ڈرا جائے، جس کی تفسیر مولانا صدیق حسن خاں بھوپالی کے بقول "طاعت بے عصیاں وذکر بے نسیان وشکر بے کفران" ہے، یعنی اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ پوری زندگی اطاعت ہی اطاعت ہو، نافرمانی کبھی نہ ہو، ہر آن خدا کی یاد سے سرشار رہے، نسیان وفراموشی کا شکار کبھی نہ ہو، ہمیشہ شکر گذار رہے، ناشکری کو بھولے سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

بھی قریب نہ آنے دے، ظاہر ہے کہ یہ بس کی بات نہیں ہے، اور دوسری آیت: "فاتقوا الله ما استعتم" میں حق الوسع اور حق المقدور تقوی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس ظاہری تعارض کے پیش نظر پہلی آیت کے منسوخ و محکم ہونے کے بارے میں جمہور مفسرین کا اختلاف ہے، متن میں تین مذاہب مذکور ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت قتادہ، حضرت ربیع اور ابن زید وغیرہ کا ہے، ان کا خیال ہے کہ آیت منسوخ ہے، حضرات مفسرین لکھتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام کو گھبراہٹ ہوئی دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! اس درجہ کا تقوی اختیار کرنا کس کے بس کی بات ہے؟ اللہ تعالی نے اس سوال کے جواب میں دوسری آیت نازل فرمادی۔

دوسرا مذہب: یہ ہے کہ یہ آیت محکم و ثابت ہے دوسری آیت اس کا بیان ہے، ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (کذا فی الروح المعانی)

ومثله ما رواه ابوجعفرؒ عن علی بن طالب ابی طلحة عن ابن عباسؓ قال قوله تعالی: (یایها الذین آمنوا التقوا الله حق تقاته) ان تجاهدوا فی الله حق جهاده ولایاخذ فی الله لومة لائم وتقوموا بالقسط ولو علی انفسكم وآبائكم وبنائكم قال ابوجعفر فكل ما ذكر فی الآیة واجب علی المسلمین ان یستعملوه ولایقع فیه نسخ (کتاب الناسخ ص/۸۸ وانظر الروح ج۴/ص۱۷)۔

مولانا احمد حسن عرشی قنوجی کے بقول: محققین کا قابلِ اعتماد اور صحیح مسلک یہی ہے کہ "فاتقوا الله ماستطعتم" "اتقوا الله حق تقاته" کے لیے شرح و تفسیر ہے، کیونکہ حق تعالی شانہ اپنے بندوں کو استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے ہیں "لایکلف الله نفساً الا وسعها" (البقرہ) وماجعل علیکم فی الدین من حرجٍ (الحج) (افادۃ الشیوخ ص۲۳)۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے، لکھتے ہیں: ڈرنے کے حق کا یہ مطلب نہیں کہ جیسی حق تعالی کی عظمت کا حق ہے، کیونکہ یہ تو کسی سے نہیں ہو سکتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنا تمہارے ذمہ حق مقرر اور واجب ہے (یعنی شرک وکفر کے ساتھ معاصی سے بھی بچو) اس کے مقابل ایک تقوی ادنی درجہ کا ہے، یعنی کفر وشرک سے بچنا گو معصیت میں مبتلا رہے، پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادنی تقوی پر اکتفاء مت کرو، بلکہ اعلی اور کامل درجہ کا تقوی اختیار کرو، جس میں معاصی سے بچنا بھی داخل ہے، پھر حاشیہ میں لکھتے ہیں: فلایلزم النسخ فی الآیۃ.

رہا یہ مسئلہ کہ بعض اکابر سے نسخ منقول ہے تو بقول مفسر تھانویؒ ان کے قول میں نسخ سے مراد شرح وتفسیر ہے "فاتقوا الله ماستعطتم" کی آیت کریمہ نے "فاتقوا الله حق تقاته" کی شرح کردی کہ "حق تقاته" سے اللہ تعالی کی عظمت وکبریائی کا حق مراد نہیں ہے بلکہ بندوں کی استطاعت کا حق مراد ہے، (کذا فی حاشیۃ بیان القرآن)۔

علامہ آلوسیؒ نے "وان تبدوا مافی انفسکم" الآیۃ کی تفسیر میں بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات نے اس آیت کے لیے "لایکلف الله الخ" کو ناسخ کہا ہے انہوں نے "نسخ" سے تفسیر وتوضیح مراد لی ہے۔

قوله ولیس فیها آیة الخ. یہ ابن العربیؒ نے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ سورۂ آل عمران میں اس آیت کے علاوہ کوئی ایسی آیت نہیں ہے کہ جس کے منسوخ ہونے کا دعوی صحیح ہو سکے وبہ قال مقاتلؒ۔

تیسرا مذہب: شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی بھی رائے یہی ہے کہ یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہے، لیکن آیت کی تفسیر میں شاہ صاحبؒ کی رائے مذکورہ آراء سے بالکل الگ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حق تقاتہ والی آیت کا تعلق عقائد (کفر وشرک وغیرہ) سے ہے، جس میں رخصت یا نرمی کا خانہ نہیں ہے، جیسا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت سے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

مفہوم ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ بندوں پر اللہ کا حق کیا ہے؟ انہوں نے اللہ ورسولہ اعلم کہہ کر لاعلمی کا اظہار فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ان یعبدوہ و لا یشرکوا بہ شیئاً معلوم ہوا کہ حقِ تقوی بندوں کے ذمہ یہ ہے کہ شرک وکفر سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں، اور آیت کریمہ: "فاتقوا اللہ ما استطعتم" کا تعلق اعمال سے ہے، جس میں قدم قدم پر رخصتیں ہیں، وضوء پر قدرت نہیں تیمم کرلو، نماز کھڑے ہوکر نہیں ادا کرسکتے بیٹھ کر پڑھ لو، حالتِ سفر میں ہو تو چار کی جگہ دو ہی پڑھ لو، رمضان میں افطار کی بھی اجازت ہے، وغیرہ ذلک من الرخص۔

شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ آیت کریمہ کی یہ توجیہ وتفسیر اسی آیت کے آخری جزء سے مؤید ہے، کیونکہ فرمایا: "و لا تموتن إلا و انتم مسلمون" ظاہر ہے کہ یہاں اسلام سے ایمان وتوحید ہی مراد ہوسکتے ہیں، کیونکہ جاں کنی اور قربِ موت کا وقت بے بسی کا وقت ہوتا ہے، ایسے میں اعمال کی تکلیف نہیں دی جاسکتی ہے۔

علامہ زرکشیؒ کے بقول شیخ عارف باللہ ابوالحسن شاذلیؒ بھی اسی نظریہ کے حامل اور اسی مذہب کے قائل تھے، پہلی آیت کو توحید پر اور دوسری کو اعمال پر محمول فرمایا کرتے تھے۔

سوال (۳۶) الفوز الکبیر ص/ ۶۵

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) مطلب لکھتے ہوئے توجیہ کی کم از کم دو مثالیں پیش کیجئے؟

الجواب

عبارت با اعراب: وَهٰذَا الْمَبْحَثُ الْأَخِيْرُ فِي الْحَقِيْقَةِ فَنٌّ مِنْ فُنُوْنِ التَّوْجِيْهِ؛ وَمَعْنَى التَّوْجِيْهِ: بَيَانُ وَجْهِ الْكَلَامِ؛ وَحَاصِلُ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ:

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

أَنَّهُ: قَدْ تَقَعُ فِي الْآيَةِ شُبْهَةٌ ظَاهِرَةٌ، لِاسْتِبْعَادِ الصُّورَةِ الَّتِي هِيَ مَدْلُولُ الْآيَةِ، أَوْ لِلتَّنَاقُضِ بَيْنَ الْآيَتَيْنِ.

أَوْ يَصْعُبُ فَهْمُ مَدْلُولِ الْآيَةِ عَلَى ذِهْنِ الْمُبْتَدِئِ.

أَوْ لَا تَسْتَقِرُّ فِي ذِهْنِهِ فَائِدَةُ قَيْدٍ مِنَ الْقُيُودِ.

(الف) ترجمہ: اور یہ آخری بحث درحقیقت توجیہ کے فنون (اقسام) میں سے ایک فن ہے اور توجیہ کے معنی ہیں: کلام کے مقصود کو واضح کرنا، اور اس لفظ کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱) کبھی آیت میں بہ ظاہر کوئی شبہ ہوتا ہے، اس صورت کو بعید سمجھنے کی وجہ سے جو آیت کا مدلول ہے، یا دو آیتوں کے درمیان (بظاہر) تعارض ہونے کی وجہ سے۔

(۲) یا مبتدی کے لیے آیت کا مطلب سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔

(۳) یا مبتدی کے ذہن میں قیود میں سے کسی قید کا فائدہ نہیں جمتا (نہیں بیٹھتا)۔

(ب) مطلب:

یہ آخری بحث یعنی صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار میں سے جن کا جاننا ایک مفسر کے لیے ضروری ہے یہ بحث درحقیقت توجیہ کے اقسام میں سے ایک قسم ہے، اس لیے شاہ صاحب توجیہ کے معنی بیان کرتے ہیں اور اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

وجّہ توجیہاً کے لغوی معنی ہیں ایک متعین رخ پر ڈال دینا، المعجم الوسیط میں ہے:

وجه الشيء، جعله على جهةٍ واحدةٍ اور وجه فلاناً: جعله يتّجه اتجاهاً معيناً،

اور اصطلاحی معنی ہیں: کلام کے مقصود کو اس طرح واضح کرنا اور بات کو اس طرح پیش کرنا کہ ممکنہ اشکالات دور ہوجائیں اور بات ایک متعین رخ پر پڑ جائے اور مراد خوب واضح ہوجائے۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ کبھی آیت پر بظاہر کوئی اشکال ہوتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آیت کا بظاہر جو مطلب ہے وہ مستبعد معلوم ہوتا ہے یا دو آیتوں میں تعارض

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ہوتا ہے، یا مبتدی طالب علم کو آیت کا مطلب سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے، یا کسی قید کا فائدہ اس کے ناقص ذہن میں نہیں آتا، تو مفسر کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان الجھنوں کو دور کرے، اسی کا نام "توجیہ" ہے۔

توجیہ کی دو مثالیں:

(۱) جیسا کہ آیت: "یٰاُخت ھارون" (سورۂ مریم آیت ۲۸) کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تھا کہ: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان جو زمانہ ہے وہ کافی لمبا زمانہ ہے، پھر ہارون علیہ السلام، مریم رضی اللہ عنہا کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ گویا سائل نے اپنے دل میں یہ بات چھپا رکھی تھی کہ: یہ ہارون وہی ہارون ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ: بنی اسرائیل اپنے سے پہلے والے بزرگوں کے ناموں پر (بچوں کے) نام رکھتے تھے (یعنی اس آیت میں ہارون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام مراد نہیں ہیں، بلکہ حضرت مریمؑ کے خاندان کا کوئی ہارون نامی بزرگ شخص مراد ہے)۔ (ترمذی شریف، ابواب التفسیر ج ۲/ص ۱۴۴)

(۲) اور جیسا کہ لوگوں نے سوال کیا تھا کہ: انسان حشر (قیامت) کے دن اپنے چہرے کے بل کیسے چلے گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے جواب دیا کہ: جس (خدا) نے اس کو دنیا میں پیروں پر چلایا ہے وہ اس پر (بھی) قادر ہے کہ اس کو چہرے کے بل چلائے۔ (راہ الشیخان، مشکوۃ، باب الحشر ص/۴۸۳)

سوال (۲۷) الفوز الکبیر ص/ ۶۷

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) مذکور تمام

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

موجبات خفاء کی مثال کلام اللہ سے پیش کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: مِمَّا یُوْجِبُ الْخَفَاءَ: حَذْفُ بَعْضِ الْأَجْزَاءِ، أَوْ أَدْوَاتِ الْکَلَامِ، وَإِبْدَالُ شَیْیءٍ بِشَیْیءٍ، وَتَقْدِیْمُ مَاحَقُّهُ التَّأْخِیْرُ، وَتَأْخِیْرُ مَاحَقُّهُ التَّقْدِیْمُ، وَاسْتِعْمَالُ الْمُتَشَابِهَاتِ وَالتَّعْرِیْضَاتِ وَالْکِنَایَاتِ، لَاسِیَّمَا تَصْوِیْرُ الْمَعْنَی الْمُرَادِ بِالصُّوْرَةِ الْمَحْسُوْسَةِ الَّتِیْ تَکُوْنُ مِنْ لَوَازِمِ ذٰلِکَ الْمَعْنٰی عَادَةً وَاسْتِعْمَالُ الْاِسْتِعَارَةِ الْمَکْنِیَّةِ وَالْمَجَازِ الْعَقْلِیِّ۔

(الف) ترجمہ: جو امور (فہم مراد میں) پوشیدگی پیدا کرتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: (جملہ کے) بعض اجزاء کو یا کلام کے بعض حروف کو حذف کرنا، اور ایک چیز کو دوسری چیز سے بدلنا، اور جس کو مؤخر کرنا چاہیے تھا اس کو مقدم کرنا، اور جس کو مقدم کرنا چاہیے تھا اس کو موخر کرنا، اور متشابہات، تعریضات، اور کنایات کو استعمال کرنا خصوصاً معنی مرادی کی منظر کشی کرنا ایسی محسوس صورت سے جو عادۃً اس معنی کے لیے لازم ہے، اور استعارہ مکنیہ اور مجاز عقلی کا استعمال کرنا۔

(ب) مطلب:

شاہ صاحبؒ نے دوسرے باب کے شروع میں فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے اسباب اجمالی طریقہ پر ذکر کیے ہیں، پھر ان میں سے تین اسباب کی سابقہ تین فصلوں میں تفصیل کی ہے، اب اس فصل میں اور اس کے بعد پانچویں فصل میں فہم مراد میں دشواری پیدا کرنے والے دیگر اسباب کی وضاحت کرتے ہیں اور ان کی کچھ مثالیں بیان فرماتے ہیں تاکہ طلبہ ان اسباب کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(ج) مذکورہ تمام موجبات خفاء کی امثلہ کلام اللہ سے:

حضرت شاہ صاحبؒ نے عبارت مذکورہ میں موجبات خفا کی آٹھ مثالیں دی ہیں:

(۱) حذف:

حذف کی کئی قسمیں ہیں: حذف مضاف، حذف موصوف، حذف متعلق یعنی حذف عامل وغیرہ جیسے:

(۱) ارشاد خداوندی: "ولکن البر من آمن" (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۷) میں "من آمن" سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: "ولکن البر (برُّ) من آمن"، لیکن نیکی اس شخص کی (نیکی) ہے۔

(۲) اور ارشاد خداوندی: "وآتینا ثمود الناقة مبصرةً" (سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۹) میں مبصرۃ سے پہلے موصوف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: "وآتینا ثمود الناقة (آیةً) مبصرةً" اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی جو آنکھیں کھولنے والا معجزہ تھی، اگر مبصرۃ سے پہلے آیۃ کو محذوف نہ مانیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ: ہم نے قوم ثمود کو ایسی اونٹنی دی جو دیکھنے والی تھی، اندھی نہیں تھی، جب کہ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے۔

(۳) اور ارشاد خداوندی: "وأشربوا فی قلوبھم العجل" (سورہ بقرہ آیت ۹۳) میں العجل سے پہلے مضاف محذوف ہے، اور تقدیر عبارت ہے: "واشربوا فی قلوبھم (حُبَّ) العجل" اور ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلادی گئی (یعنی پیوست کردی گئی)۔

(۲) ابدال:

ایک فعل کو دوسرے فعل سے بدلنا: کبھی اللہ سبحانہ وتعالی ایک فعل کی جگہ دوسرا فعل ذکر فرماتے ہیں مختلف اغراض کی وجہ سے اور ان اغراض کی چھان بین کرنا اس کتاب کا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وظیفہ (یعنی فریضہ) نہیں ہے جیسے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "أهذا الذی یذکر آلهتکم" (سورۂ أنبیاء آیت ۳۶) کیا یہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے، یعنی برائی کرتا ہے، اصل کلام أهذا الذی یسب تھا، لیکن "سَبّ" کے ذکر کو ناپسند فرمایا، اس لیے اس کو "ذکر" سے بدل دیا۔

اور اسی قبیل سے ہیں وہ محاورات جو عرف میں بولے جاتے ہیں، یعنی حضرت کے دشمن بیمار ہیں، یا حضور والا کے غلام ہمارے پاس تشریف لائے، یا جناب علی کے غلام اس معاملہ سے واقف ہیں، اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ: خود حضرت بیمار ہیں، اور حضور والا تشریف لائے، اور جناب عالی واقف ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولاهم منّا یصحبون" (سورۂ انبیاء آیت ۴۳) اور نہ ہمارے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیا جائے گا، یعنی ہمارے مقابلہ میں ان کی نصرت ومدد نہیں کی جائے گی، چونکہ اجتماع اور صحبت کے بغیر نصرت کا تصور نہیں ہوسکتا، اس لیے ینصرون کو یصحبون سے بدل دیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثقلت فی السماوات والارض" (سورۂ اعراف آیت ۱۸۷) وہ (قیامت) بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین مین، یعنی مخفی ہے، کیونکہ جب کسی بات کا علم مخفی ہوجاتا ہے تو آسمانوں اور زمین والوں پر وہ بھائی ہوجاتی ہے، (اس لیے خفیت کو ثقلت سے بدل دیا)۔

(۴) تقدیم ماحقہ التاخیر وتاخیر ماحقہ التقدیم:

(۱) ارشاد خداوندی ہے: "إلا آل لوط، إنّا لمنجوهم أجمعین، إلا امرأته" (سورۂ حجر آیت ۵۹و۶۰) مگر لوط علیہ السلام کے گھر والے، ہم ان سب کو بچالیں گے، بجز ان کی بیوی کے (اس ارشاد میں) اللہ تعالیٰ نے استثناء پر استثناء داخل فرمایا ہے،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

پس (مراد خداوندی کا سمجھنا) دشوار ہوگیا۔

(۲) اور ارشاد خداوندی ہے: "فما یکذبک بعد بالدین" (پھر کون سی چیز تجھ کو جزاء کے بارے میں منکر بنا رہی ہے) متصل ہے اللہ تعالی کے اس ارشاد سے: "لقد خلقنا الانسان فی أحسن تقویم" ہم نے انسان کو بہت خوبصوت سانچے میں ڈھالا ہے (سورۂ تین)۔

(۳) اور ارشاد خداوندی ہے: "یدعوا لمن ضره أقرب من نفعهٖ یعنی یدعوا من ضره" (سورۂ حج آیت ۱۳) پکارتا ہے اس کو جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے (لمن ضره دراصل یدعوا کا مفعول) ہے، لہذا اس پر لام نہیں ہونا چاہیے، مگر اللہ تعالی نے لام کا اضافہ فرمایا ہے جس کی وجہ سے مراد خداوندی تک پہنچنے میں دشواری ہو رہی ہے۔

(۴) متشابہ:

اور متشابہ: وہ کلام ہے جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے بچند وجوہ:

(۱) یا تو اس وجہ سے کہ کلام میں جو ضمیر ہے وہ دو مرجعوں کی طرف لوٹ سکتی ہے جیسے کوئی کہے: "أما إنّ الامیر امرنی ان العن فلاناً؛ لعنه الله" (سنو! حاکم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فلاں پر لعنت کروں، اللہ کی لعنت ہو اس پر) اس قول میں لعنه الله کی ضمیر کا مرجع "فلان" بھی ہو سکتا ہے، اور حاکم بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) یا اس وجہ سے کہ ایک کلمہ دو معنوں میں مشترک ہے، جیسے ارشاد خداوندی: "لامستم" (سورۂ نساء آیت ۴۳ اور سورۂ مائدہ آیت ۶) ہم بستری اور ہاتھ سے چھونے کے معنی میں مشترک ہے۔

(۳) یا اس وجہ سے کہ ایک کلمہ کا عطف قریب پر بھی ہو سکتا ہے اور بعید پر بھی،

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

جیسے ارشادِ خداوندی: "وامسحوا برءوسکم وارجلکم" (سورۂ مائدہ آیت ٦) میں ارجلکم کا عطف کسرہ والی قراءت میں رءوسکم پر بھی ہوسکتا ہے، اور وجوھکم پر بھی ہوسکتا ہے، اور جوَر، جرّ جوار ہو۔

(۵) کنایہ:

کنایة؛ کنا یکنُو یا کَنٰی یَکنِیْ بکذا وعن کذا کا مصدر ہے، اس کے لغوی معنی ہے: صراحت نہ کرنا، اور اصطلاحی معنی ہیں: لفظ بول کر اس کے لازم معنی کا ارادہ کرنا، چاہے لزوم عادی ہو یا عقلی، جیسے: عظیمُ الرّمادِ (بہت راکھ والا) بول کر کثرت ضیافت کا ارادہ کرنا، اور "یداہ مبسوطتان" (اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) سے کثرت سخاوت کا ارادہ کرنا "کنایہ" ہے۔

(٦) تعریض:

عرّض لہ بالقول کے معنی ہیں: کسی پر ڈھال کر بات کہنا، گول مول بات کہنا، کھول کر نہ کہنا، اس کی ضد تصریح ہے یعنی صاف صراحت سے بات کہنا اور اصطلاحی معنی ہیں: کوئی عام بات کہہ کر کسی خاص شخص کی حالت کی طرف اشارہ کرنا یا کسی معین شخص کی حالت پر تنبیہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے کلام پاک میں کبھی کوئی عام حکم یا غیر معین بات ذکر فاتے ہیں اور مقصود کسی خاص شخص کی حالت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے یا کسی معین شخص کی حالت پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے، اسی کا نام تعریض ہے، تعریض میں بات کے دوران اس شخص کی بعض خصوصیات بھی ذکر کی جاتی ہیں، جن خصوصیات کی وجہ سے مخاطب اس شخص کو پہچان لیتا ہے، ایسی جگہ میں قاری قرآن سوچ میں پڑ جاتا ہے اور وہ آیت کو سمجھنے کے لیے شان

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

نزول کا محتاج ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ بھی تعریض استعمال فرماتے تھے، جب آپ ﷺ کسی پر نکیر فرماتے تو ارشاد فرماتے: کیا بات ہے لوگ یہ یہ کام کرتے ہیں، اور قرآن میں تعریض کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱) ارشاد خداوندی ہے:

وما كان لمومن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم. (سورۂ احزاب آیت ۳۶) ترجمہ: اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کے لیے گنجائش نہیں جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ فرمادیں کہ ان کو ان کے معاملہ میں کوئی اختیار رہے۔

اس ارشاد خداوندی میں حضرت زینب بنت جحش اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ: حضرت زید بن حارثہؓ جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور منھ بولے بیٹے تھے جب جوان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے نکاح کے لیے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بن جحش کا انتخاب فرما کر نکاح کا پیغام دیا، مگر حضرت زید بن حارثہؓ چونکہ آزاد کردہ غلام تھے، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا قریش کے معزز خاندان کی خاتون تھیں، اس لیے زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے اس رشتہ سے انکار کردیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، تو حضرت زینب اور ان کے بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما دونوں رضامند ہوگئے اور حضرت زید بن حارثہؓ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوگیا۔

(۲) اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

ولا ياتل اولوا الفضلِ منكم والسعة ان يوتوا اولى القربى المسكين المهجرين فى سبيل الله، وليعفوا وليصفحوا، الاتحبون ان يغفر الله لكم، والله غفور رحيم. (سورۂ نور آیت ۲۲) ترجمہ: اور جو لوگ تم میں بزرگی

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

اور وسعت والے ہیں وہ اہل قرابت کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہارے قصور معاف فرما دیں بیشک اللہ تعالی غفور رحیم ہیں۔

اس ارشاد خداوندی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اور وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسطح بن اثاثہؓ جو حضرت ابوبکر صدیق کے عزیز قریب اور غریب آدمی تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی امداد فرمایا کرتے تھے، جب واقعہ افک میں ان کی ایک گونہ شرکت ثابت ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق کو رنج ہوا، اور قسم کھالی کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب سنا "الا تحبون ان یغفر الله لکم" کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالی تمہارے قصور معاف فرمائیں، تو فوراً بول اٹھے: "بلی یاربنا إنّا نحب" بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں یہ کہہ کر حضرت مسطح کی جو امداد پہلے کیا کرتے تھے وہ بدستور جاری کردی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دوگنی کردی۔

(۷) مجاز عقلی:

مجاز عقلی یہ ہے: فعل یا شبہ فعل کی کسی ملابست ومناسبت کی وجہ سے غیر فاعل یا غیر مفعول بہ کی طرف نسبت کرنا، قرآن پاک میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں، جیسے ارشاد خداوندی ہے: "واذا تلیت علیهم آیته زادتهم ایماناً" اور جب اللہ کی آیات ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیات ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہے (سورۂ انفال آیت ۲) اس ارشاد میں زادت کی نسبت آیات کی طرف کی گئی ہے، یہ اسناد مجاز عقلی ہے، کیونکہ حقیقت میں ایمان زیادہ کرنے والے اللہ تعالی ہیں اور آیات ایمان میں زیادتی کا سبب ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے: "یُذَبِّحُ أَبْنَاءَ هم" فرعون ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(سورۂ قصص آیت ۴) اس ارشاد میں ذبح کرنے کی نسبت فرعون کی طرف کی گئی ہے، یہ اسناد مجاز عقلی ہے، کیونکہ حقیقت میں ذبح کرنے والے فرعون کے نوکر چاکر تھے، اور فرعون صرف حکم دینے والا تھا۔

(۸) استعارہ مکنیہ:

استعارہ مکنیہ جس کو استعارہ بالکنایہ بھی کہتے ہیں یہ ہے: مشبہ بہ کو حذف کرنا، اور اس کے لوازم میں سے کسی لازم کو ذکر کر کے اس کی طرف اشارہ کرنا، جیسے: ارشاد خداوندی ہے: "واشتعل الرأس شیباً" اور سر میں بڑھاپے کا شعلہ بھڑک اٹھا، (سورۂ مریم آیت ۴) اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے رأس (سر) کو وقود (ایندھن) سے تشبیہ دی ہے، اور اشتعل (شعلہ بھڑک اٹھا) سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے: "الذین ینقضون عهدالله" جو لوگ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں (سورۂ بقرہ آیت ۲۷) اس میں اللہ تعالیٰ نے عهد کو حبل (رسی) کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور رسی کے لوازم میں سے نقض کو ذکر فرما کر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سوال (۲۸) الفوز الکبیر ص/ ۷۷

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) شعر کی نحوی ترکیب کیجئے جس سے تقدیم وتاخیر واضح ہوجائے (د) تعلیق بالبعید کا مطلب لکھتے ہوئے تعلیق بالبعید اور ومایکون من هذا القبیل کی مثال لکھئے؟

الجواب

عبارت با اعراب: وَقَدْ يُوْجِبُ التَّقْدِيْمُ وَالتَّاخِيْرُ أيضًا صُعُوْبَةً

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

فِیْ فَهْمِ الْمُرَادِ، كَمَا فِي الشِّعْرِ الْمَشْهُوْرِ:

بُثَيْنَةُ شَأْنُهَا سَلَبَتْ فُؤَادِيْ　　بِلَاجُرْمٍ أَتَيْتُ بِه سَلَاماً

وَالتَّعْلِيْقُ بِالْبَعِيْدِ أَيْضًا مِمَّا يُوْجِبُ الصُّعُوْبَةَ فِي الْكَلَامِ، وَكَذٰلِكَ مَا يَكُوْنُ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ.

(الف) ترجمہ: اور کبھی کبھی تقدیم وتاخیر بھی فہم مراد میں دشواری پیدا کرتی ہے، جیسا کہ اس مشہور شعر میں تقدیم وتاخیر کی وجہ سے شاعر کی مراد سمجھنے میں دشواری ہوگئی ہے۔

بثينةُ شأنها سلبتْ فؤادی　　بلاجرم أتيتُ به سلاماً

(اس شعر کی اصل اس طرح ہے: بثينة سلبت فؤادی بلاجرم أتيت به، شأنها يكون سلاماً: بثینہ نے چھین لیا میرا دل کسی جرم کے بغیر جس کو میں نے کے ہو، اس کی شان سلامت رہے، مگر شاعر نے شأنها کو مقدم اور سلبت فؤادی بلاجرم أتيت به کو مؤخر کر دیا ہے، جس کی وجہ سے شاعر کی مراد تک پہنچنا دشوار ہو گیا ہے۔

(ب) مطلب:

یہ ''خفا'' کے تیسرے سبب کا تذکرہ ہے، تقدیم وتاخیر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس کلمہ کو حقِ تقدم حاصل ہوا سے مؤخر اور جسے حقِ تاخیر حاصل ہو اس کو مقدم کر دیا جائے، خواہ اس سے مفہوم کلام کے سمجھنے میں دشواری ہو یا نہ ہو۔

یہاں وہ تقدیم وتاخیر مراد ہے جس کی وجہ سے مراد متکلم کے سمجھنے میں دقت وپریشانی پیش آتی ہو جیسا کہ جاہلیت کے مشہور شاعر جمیل بن عبداللہ بن معمر کے مذکورہ شعر میں اسی نوع کی تقدیم وتاخیر ہے، جس کو سمجھنے کے لیے شعر کی ترکیبِ نحوی ملاحظہ فرمائیں۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

شعر کی نحوی ترکیب:

بثینة (مبدل منہ) شانها (بدل) مجموعہ مبتدا، سلبت (فعل بافاعل) فؤادی (ممیّز) سلاماً (تمیز) مجموعہ مفعول بہ۔ باء (جارہ) لاجرم (موصوف) اتیت بــه (فعل بافاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صفت) مجموعہ صفت وموصوف مجرور۔ جار مجرور متعلق ہوا سلبت فعل کے۔ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہوا مبتدا کی، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

دعوت فکر:

اس لحاظ سے سلاماً کو اپنے ممیّز (فؤادی) سے متصل اور جار مجرور سے مقدم ہونا تھا جب کہ ''بلاجرم'' کو ''سلاما'' سے مؤخر ہونا چاہیے تھا، یہی وہ تقدیم وتاخیر ہے جو شاعر کی مراد تک پہونچنے میں اور شعر کی صحیح ترکیب سمجھنے میں روڑا بن رہی ہے۔

(د) تعلیق بالبعید کا مطلب اور اس کی مثال:

تعلق بالبعیدہ: کا مطلب یہ ہے کہ قریبی تعلق رکھنے والے الفاظ کے درمیان فصلِ کثیر کی وجہ سے بعد ہوجائے مثلاً مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ کے درمیان بعد ہوجائے جیسا کہ ''الا قول ابراهيم'' اور ''قد كانت لكم الخ'' کے درمیان ہے، پوری آیت:

قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم والذين معه، اذ قالوا لقومهم انا برء ؤا منكم ومما تعبدون من دون الله كفر نا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء ابداً حتى تؤمنوا بالله وحده الا قول ابراهيم لابيه لاستغفرن لک الآیة. (ممتحنہ پ ۲۸)۔

یا ''حکم'' اور ''عدمِ تعمیل کی صورت میں وعید'' کے درمیان فصل ہو، جیسا

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کہ "فعلیکم النصر" اور "الا تفعلوہ الخ" کے درمیان ہے، پوری آیت: وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قومٍ بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر، والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنۃٌ فی الارض وفسادٌ کبیر.

ومایکون من ھذہ القبیل کی مثال:

ارشادِ خداوندی ہے: "یدعوا لمن ضرہ أقرب من نفعِهِ یعنی یدعوا من ضرہ" (سورۂ حج آیت ۱۳) پکارتا ہے اس کو جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے (لمن ضرہ دراصل یدعوا کا مفعول) ہے، لہٰذا اس پر لام نہیں ہونا چاہیے، مگر اللہ تعالیٰ نے لام کا اضافہ فرمایا ہے جس کی وجہ سے مرادِ خداوندی تک پہنچنے میں دشواری ہو رہی ہے، یہ بھی مایکون من ھذا القبیل کی مثال ہے۔

سوال (۲۹) الفوز الکبیر ص/ ۸۷

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) سورتوں کی مذکورہ تقسیم کی وضاحت کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَقَدْ كَانَتِ السُّوَرُ مَقْسُومَةً عِنْدَالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ إِلٰى أَرْبَعَةِ أَقْسَامٍ:

اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ: اَلسَّبْعُ الطُّوَلُ الَّتِيْ هِيَ أَطْوَلُ السُّوَرِ.

وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ: اَلْمِئُوْنُ: وَهِيَ الَّتِيْ تَشْتَمِلُ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهَا عَلٰى مِائَةِ آيَةٍ، أَوْ تَزِيْدُ قَلِيْلاً.

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

وَالْقِسْمُ الثَّالِثُ: اَلْمَثَانِيْ: وَهِيَ مَاتَقِلُّ آيَاتُهَا عَنِ الْمِأَةِ.

وَالْقِسْمُ الرَّابِعُ، اَلْمُفَصَّلُ. وَقَدْ أُدْخِلَتْ سُوْرَتَانِ أَوْثَلَاثٌ هِيَ مِنْ عِدَادِ الْمَثَانِيْ فِي الْمِئِيْنَ، لِمُنَاسَبَةِ سِيَاقِهَا بِسِيَاقِ الْمِئِيْنَ؛ وَهٰكَذَا جَرَى التَّصَرُّفُ فِيْ بَعْضِ الْأَقْسَامِ الْأُخْرٰى أَيْضًا.

(الف) ترجمہ: اور سورتیں تقسیم شدہ تھیں صحابہ کرامؓ کے نزدیک چار قسموں کی طرف:

پہلی قسم: سبع طول ہے، جو سورتوں میں سب سے لمبی ہیں۔

اور دوسری قسم: مئون ہے، اور مئون وہ ہیں جن میں سے ہر ایک سورت سو آیتوں پر مشتمل ہے، یا کچھ بڑھی ہوئی ہے۔

اور چوتھی قسم مفصل ہے۔

اور داخل کی گئی ہیں دو یا تین سورتیں جو مثانی کی تعداد میں سے ہیں مئون میں، ان کے مضمون کے مئون کے مضمون سے مناسبت رکھنے کی وجہ سے، اور اسی طرح تصرف ہوا ہے بعض دوسری سورتوں میں بھی۔

(ب) سورتوں کی تقسیم کی وضاحت:

آیتوں کے کم وبیش ہونے کے اعتبار سے صحابہ کرام کے نزدیک قرآن کریم کی سورتیں چار قسموں میں منقسم تھیں: (۱) سبع طُوَلُ (۲) مِئُون (۳) مثانی (۴) اور مفصل۔

(۱) طُوَل، طولیٰ (اسم تفضیل مؤنث) کی جمع ہے، جیسے کبر، کبریٰ کی جمع ہے، اور سبع طول کے معنی ہیں سات بڑی سورتیں، صحابہ کرام قرآن کریم کی سات بڑی سورتوں کو جو سورۂ بقرہ سے شروع ہو کر سورۂ توبہ پر ختم ہوتی ہیں، سبع طول کہتے تھے، اور سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کو ایک ہی سورت شمار کرتے تھے، کیونکہ ان دونوں سورتوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا تذکرہ ہے، اسی لیے مصحف عثمانی میں ان دونوں سورتوں کے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

درمیان بسم اللہ کے ذریعہ فصل نہیں کیا گیا۔

(۲) مِئُون، مِأَۃٌ (سو) کی جمع ہے اور یہاں مئون سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں سو یا سو سے کچھ زائد آیتیں ہیں۔

(۳) مثانی، مثنی کی جمع ہے، جیسے: معانی، معنی کی جمع ہے، اور مثنی کے معنی ہیں: دودو، دوہرا، ڈبل اور یہاں مثانی سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں، ان سورتوں کو مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی تلاوت سبع طول اور مئون کی بہ نسبت زیادہ کی جاتی ہے، یعنی ان کو بار بار دہرانے کی وجہ سے مثانی کہا جاتا ہے۔

(۴) مفصل، تفصیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اور مفصل سے مراد وہ سورتیں ہیں جن میں چھوٹی چھوٹی آیتیں ہیں، مشہور قول کے مطابق ان کی ابتداء سورۂ حجرات سے اور راجح قول کے مطابق سورۂ ق سے ہوتی ہے، پھر مفصل کی تین قسمیں ہیں: (۱) طوال مفصل (۲) اوساط مفصل (۳) قصار مفصل۔

یہاں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں عام طور پر پہلے طوال پھر مئون پھر مثانی پھر مفصل سورتوں کو رکھا گیا ہے، مگر بعض جگہوں میں اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا، مثلاً سورۂ رعد کی کل آیتیں ۴۳، اور سورۂ ابراہیم کی کل آیتیں ۵۲، اور سورۂ حجر کی کل آیتیں ۹۹، اور سورۂ مریم کی کل آیتیں ۹۸، اور سورۂ حج کی کل آیتیں ۷۸ ہیں، اس لیے یہ پانچوں سورتیں مثانی کے درمیان رکھی جانی چاہیے تھیں، مگر ان کو مئون کے درمیان رکھا گیا ہے، کیونکہ ان سورتوں کے مضامین مثانی کے بجائے مئون سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ شعراء کی کل آیتیں ۲۲۷، اور سورۂ صافات کی کل آیتیں ۱۸۲ ہیں، اس لیے ان کو بڑی سورتوں کے درمیان رکھنا چاہیے تھا، مگر ان کو مثانی کے درمیان رکھا گیا ہے، اس لیے کہ ان کے مضامین مثانی سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم کی موجودہ ترتیب میں ایک تصرف یہ بھی کیا گیا ہے کہ سورۂ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

انفال جو مثانی میں سے ہے، اور سورۂ توبہ جو مئون میں سے ہے، دونوں کو ملا کر سبع طول میں رکھا گیا ہے۔

سوال (۳۰) الفوز الکبیر ص/ ۹۷

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب بیان کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَقَدْ يُجِيْئُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى بِفَاصِلَتَيْنِ فِيْ آيَةٍ وَاحِدَةٍ كَمَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ فِي الْبَيْتِ أَيْضًا ، نَحْوُ:

كَالزَّهْرِ فِيْ تَرَفٍ، وَالْبَدْرِ فِيْ شَرَفٍ وَالْبَحْرِ فِيْ كَرَمٍ، وَالدَّهْرِ فِيْ هِمَمٍ

(الف) ترجمہ: دو فاصلوں والی آیت: اور کبھی اللہ سبحانہ وتعالی ایک آیت میں دو فاصلے لاتے ہیں جیسا کہ شعر میں بھی ایسا ہوتا ہے جیسے:

كالزهر في تَرَفٍ، والبدر في شرف والبحرِ في كرم، والدهر في همم

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ) لطافت ونفاست میں شگوفہ کی طرح ہیں، اور عظمت رفعت میں بدر کی طرح ہیں، اور جود وسخا میں سمندر کی طرح ہیں، اور عزم وہمت میں زمانہ کی طرح ہیں۔

(ب) مطلب:

جس طرح شعراء کبھی ایک شعر میں دو قافیے لاتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالی کبھی ایک آیت میں دو فاصلے لاتے ہیں، جیسے سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ”رب المشرقين ورب المغربين“ (آیت ۱۷) اور سورۂ واقعہ میں ہے: ”فأصحب

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

المیمنة، ما أصحٰب المیمنة" (آیت۸) "واصحٰب الشمال، ما اصحٰب الشمال" (آیت ۴۱) اورسورۂ نوح میں ہے: "وجعل القمر فیهن نوراً، وجعل الشمس سراجاً" (آیت ۱۶) "وقد اضلوا کثیراً، ولاتزد الظٰلمین إلا ضلالاً" (آیت ۲۴) "مما خطیئٰتهم اغرقوا فادخلوا ناراً، فلم یجدوا لهم من دون الله انصاراً" (آیت ۲۵) اورسورۂ صف میں ہے: "نصر من الله وفتح قریب، وبشر المؤمنین" (آیت ۱۳) اورسورۂ تغابن میں ہے: "واطیعوا الله واطیعوا الرسول، فان تولیتم فانما علی رسولنا البلٰغ المبین" (آیت ۱۲) یہ سب دوفاصلوں والی آیتیں ہیں، کیونکہ جس طرح نوراً اور سراجاً، کثیراً اور ضلالاً، ناراً اور انصاراً قرآن پاک کے قافیے ہیں اسی طرح قریبٌ اور مؤمنین رسول اور مبین بھی قرآن پاک کے قافیے ہیں۔

فائدہ:

یہ شعر شیخ شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن سعید البوصیری رحمہ اللہ (متوفی ۶۸۱ھ یا ۶۹۶ھ) کے مشہور قصیدہ بردہ کا ہے، جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی مدح میں اس وقت کہا تھا جب آپ فالج کی بیماری میں مبتلا ہوگئے تھے، آپ نے جب یہ قصیدہ پورا کیا تو رات میں آنحضرت ﷺ کو خواب دیکھا، آپ ﷺ نے شیخ کے بدن پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور اپنی چادر میں لپیٹ لیا، صبح اٹھے تو بالکل تندرست تھے، چونکہ آنحضرت ﷺ نے شیخ کو خواب میں اپنی چادر میں لپیٹ لیا تھا اور چادر کو عربی میں بردہ کہتے ہیں، اس لیے اس قصیدہ کو قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

سوال (۳۱) الفوز الکبیر ص/۱۰۶

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) اسباب نزول کی دونوں قسموں کو لکھنے کے بعد بتائیں کہ مفسر کے لئے کس طرح کے سبب نزول کو ذکر کرنا ضروری ہے بوضاحت تحریر کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: وَأَسْبَابُ النُّزُوْلِ عَلٰی قِسْمَیْنِ:

اَلْأَوَّلُ: أَنْ تَقَعَ حَادِثَةٌ یُمَحَّصُ بِهَا إِیْمَانُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَنِفَاقُ الْمُنَافِقِیْنَ، کَمَا وَقَعَ ذٰلِکَ فِیْ غَزْوَتَیْ أُحُدٍ وَالْأَحْزَابِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی مَدْحَ أُولٰئِکَ وَذَمَّ هٰؤُلَاءِ، لِیَکُوْنَ فَیْصَلاً بَیْنَ الْفَرِیْقَیْنِ؛ وَتَقَعُ فِیْ أَثْنَاءِ ذِکْرِ الْحَادِثَةِ تَعْرِیْضَاتٌ کَثِیْرَةٌ بِخُصُوْصِیَّاتِهَا؛ فَیَجِبُ أَنْ تُشْرَحَ الْحَادِثَةُ بِکَلَامٍ مُخْتَصَرٍ لِیَتَّضِحَ عَلَی الْقَارِیْ سِیَاقُ الْکَلَامِ.

(الف) **ترجمہ**: اسباب نزول کی دو قسمیں: اور جو روایات تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں ان میں سے کچھ شان نزول کی وضاحت (پر مشتمل) ہیں، اور اسباب نزول کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں) کوئی ایسا واقعہ پیش آتا، جس سے مؤمنین کے ایمان اور منافقین کے نفاق کو آزمایا جاتا، جیسا کہ غزوۂ احد اور غزوۂ احزاب (خندق) میں یہی صورت پیش آئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف اور ان کی مذمت فرمائی (یعنی مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں آیتیں نازل فرمائیں) تاکہ (کلام الٰہی) فریقین کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہو جائے، اور (آیات میں) ایسے واقعہ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

کے تذکرہ کے درمیان میں واقعہ کی خصوصیات کی طرف بہت تعریضات واقع ہوئی ہیں، لہذا واقعہ کی مختصر کلام کے ذریعہ وضاحت کرنا (مفسر کے لیے) ضروری ہے، تاکہ پڑھنے والے کے سامنے کلام الہی کا مقصد واضح ہوجائے۔

(ب) اسباب نزول کی دونوں قسموں کی وضاحت:

پہلی قسم: آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تھا، جس سے مؤمنین کا ایمان اور منافقین کا نفاق نکھر کر سامنے آتا تھا، تو اللہ تعالی مؤمنین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں کچھ آیتیں نازل فرماتے تھے، تاکہ کلام الہی فریقین کے درمیان فیصلہ کن ثابت ہو، مثلاً غزوۂ احد، غزوۂ احزاب اور غزوۂ تبوک میں جب صحابہ کرام نے جانی اور مالی قربانیاں پیش کیں، اور منافقین نے بزدلی اور روگردانی کا مظاہرہ کیا، تو اللہ تعالی نے سورۂ آل عمران، سورۂ احزاب اور سورۂ توبہ میں مؤمنین صادقین کی تعریف اور منافقین کی مذمت میں بہت سی آیتیں نازل فرمائیں، اور ان میں ان واقعات کی طرف اشارے کیے جو ان آیات کا پس منظر تھے، لہذا ان کی مختصر وضاحت کرنا مفسر کے لیے ضروری ہے، تاکہ پڑھنے والا کلام الہی کا مطلب اور مقصد اچھی طرح سمجھ جائے۔

دوسری قسم: آیت کے معنی آیت کے الفاظ کے عام ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتے ہیں، کیونکہ تفسیر میں شان نزول کی خصوصیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا، الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے، مگر پھر بھی قدیم مفسرین (صحابہ کرام وتابعین عظام) آیت اپنے عموم کی وجہ سے جس واقعہ پر صادق آتی ہے اس کو واضح کرنے کی غرض سے کوئی واقعہ ذکر کرتے ہیں، اور محدثین ان آثار کا احاطہ کرنے کی غرض سے جو آیت سے مناسبت رکھتے ہیں اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں۔

شان نزول کی اس قسم کا ذکر کرنا مفسر کے لیے ضروری نہیں، کیونکہ یہ بات پایۂ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام بسا اوقات نزلت الآیۃ فی کذا کہہ کر ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، لیکن شان نزول بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ واقعہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، جس پر آیت صادق آتی ہے، یا آیت اپنے عموم کی وجہ سے جن صورتوں کو شامل ہوتی ہے، ان میں سے بعض کو ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے خواہ وہ واقعہ آیت کے نزول سے پہلے پیش آیا ہو، یا بعد میں اور چاہے وہ واقعہ اسرائیلی ہو یا جاہلی ہو یا اسلامی، اور خواہ آیت کی تمام قیود پر منطبق ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ شان نزول کی اس دوسری قسم کا مدار اجتہاد پر ہے، اور متعدد قصوں کی ایک کے ذیل میں گنجائش ہے، جو شخص اس نکتہ کو یاد رکھے گا وہ معمولی غور وفکر سے اسباب نزول کے اختلاف کو حل کرلے گا۔

﴿سوال (۳۲) الفوز الکبیر ص/ ۱۰۸﴾

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں (ب) مطلب تحریر کریں (ج) ذلک کا مشار الیہ متعین کرکے دونوں اہم امور کی وضاحت کریں۔

الجواب

عبارت با اعراب: فَلَزِمَ لِأَجْلِ ذٰلِکَ أَمْرَانِ:

الْأَوَّلُ: أَنْ يُرْتَكَبَ النَّقْلُ عَنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِذَا وُجِدَ فِيْ سُنَّةِ نَبِيِّنَا صلى الله عليه وسلم بَيَانٌ لِتَعْرِيْضِ الْقُرْآنِ، مَثَلًا حِيْنَمَا وُجِدَ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی: "وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا، ثُمَّ أَنَابَ" مُحْمَلٌ فِيْ السُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ، وَهُوَ قِصَّةُ تَرْكِ "إِنْ شَاءَ اللّٰهُ" وَالْمُؤَاخَذَةِ عَلَيْهِ، فَأَيُّ

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

حَاجَةٍ إِلٰی ذِکْرِ قِصَّةِ صَخْرِ الْمَارِدِ؟۔

وَالثَّانِیْ: أَنْ یَتَکَلَّمَ بِقَدْرِ اقْتِضَاءِ التَّعْرِیْضِ نَظْرًا إِلٰی قَاعِدَةِ: "الضَّرُوْرِیُّ یَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَةِ"، لِیُمْکِنَ تَصْدِیْقُهُ بِشَهَادَةِ الْقُرْآنِ، وَلْیَکُفَّ لِسَانَهُ عَنِ الزِّیَادَةِ عَلَیْهِ.

(الف) ترجمہ: لہٰذا اس (قاعدہ) کی وجہ سے دو باتیں ضروری ہیں:

پہلی بات: یہ ہے کہ اہل کتاب سے نقل کرنے کا ارتکاب نہ کیا جائے، جب ہمارے نبی ﷺ کی حدیث میں قرآن کریم کی تعریض کی وضاحت موجود ہو، مثلاً جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "**ولقد فتنا سلیمن، والقینا علی کرسیه جسداً، ثم أناب**" کا محمل (وضاحت) حدیث نبوی میں موجود ہے، اور وہ ان شاء اللہ ترک کرنے اور اس پر مواخذہ کا قصہ ہے، تو صخر مادر کا قصہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!

اور دوسری بات: یہ ہے کہ تعریض کے تقاضے (چاہت) کے بقدر گفتگو کی جائے، اس قاعدہ کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ: "ضروری بات ضرورت کے بقدر ثابت مانی جاتی ہے" تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو سکے، اور ضرورت سے زیادہ (گفتگو کرنے) سے اپنی زبان کو روکنا چاہیے۔

(ب) مطلب:

اسرائیلی روایتوں کو تفسیر میں نقل کرنا ایک خفیہ سازش ہے جو ہمارے دین میں در آئی ہے، جب کہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ: "اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو، نہ ان کی تکذیب کرو" لہٰذا اس مسلمہ قاعدہ کے پیش نظر دو باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

”ذلک“ کا مشار الیہ اور دونوں اہم امور کی وضاحت:

ذلک کا مشار الیہ قاعدہ مسلمہ ”لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوا هم“ ہے۔

دونوں اہم امور کی وضاحت:

پہلی بات: جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہے، تو اسرائیلی روایت کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہیے، مثلاً جب اللہ تعالی کے ارشاد: ”ولقد فتنا سليمن، وألقينا على كرسيه جسداً، ثم أناب“ (سورۂ ص آیت ۳۴) کی تفسیر حدیث نبوی میں موجود ہے، اور وہ ان شاء اللہ نہ کہنے کا، اور اس پر مواخذہ کا واقعہ ہے، تو صخر مارد کا قصہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ حضرت مولانا احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

”حدیث صحیح میں ہے: کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا، (جو تعداد میں ستر، یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا، فرشتہ نے القاء کیا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجیے، مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا، خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا، صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہ ہی بچہ ان کے تخت پر لاکر ڈال دیا، کہ لو! یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے، (اسی کو یہاں ”جسد“ (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اور ان شاء اللہ نہ کہنے پر استغفار کیا، نزدیکاں را بیش بود حیرانی، حدیث میں ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے، تو بیشک اللہ تعالی ویسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی“ (فوائد عثمانی) یہ بخاری و مسلم شریف کی روایت ہے

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

(مشکوۃ شریف ص/ ۵۰۸ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام)۔

دوسری بات: قرآن کریم میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو، اس کی تفصیل ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہیے تاکہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہوسکے، نیز قاعدہ بھی ہے کہ: ''ضروری بات بقدر ضرورت ہی ثابت مانی جاتی ہے'' لہٰذا ضرورت سے زیادہ گفتگو نہیں کرنی چاہیے، مثلاً ایوب علیہ السلام کے ابتلاء کا جو واقعہ قرآن کریم میں مذکور ہے، اور جس کے بارے میں سورۂ ص میں ہے کہ شیطان نے آپ کو ''رنج وآزار'' پہنچایا تھا اور سورۃ الانبیاء میں ہے کہ آپ نے دعا کی کہ: ''اے میرے رب! مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں'' (آیت ۸۳) اس ابتلاء کی تفصیل بقدر ضرورت ہی کرنی چاہیے، اور بائبل کے صحیفہ ایوب میں ابتلاء کی جو تفصیلات مذکور ہیں، وہ ہرگز بیان نہیں کرنی چاہئیں، وہ شان نبوت کے ہرگز سزاوار نہیں۔

☆☆☆

☆☆☆☆

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

قرآن عظیم

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

سب سے بڑی عطا ہے خدائے کریم کی
دولت جو ہم کو دی ہے قرآنِ عظیم کی

قرآن تاقیام قیامت ہے رہنما
قرآن ہے تمام قیامت کی انتہا

قرآن اپنے آپ میں ایک معجزہ بھی ہے
قرآن ہر مرض کی مکمل شفا بھی ہے

قرآن ایک دائمی فوز وفلاح ہے
قرآن ایک ضامن طرز صلاح ہے

قرآن نے کیا ہے غلاموں کو تاجدار
قرآن آدمی کو بناتا ہے باوقار

لاریب اک کلام الٰہی قرآن ہے
انسان کے ذہن میں خدا کی زبان ہے

قرآن پڑھنے والے خدا کا کلیم ہے
قرآن دوست شخص خدا کا ندیم ہے

قرآن سیکھنا بھی سکھانا بھی ہے ثواب
قرآن کی توبات بتانا بھی ہے ثواب

جس شخص کا بھی خدمت قرآن کام ہے
جنت میں اس کے واسطے اعلیٰ مقام ہے

☆☆☆

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa

عربی درسی کتابوں کے چند عربی، اردو نوٹ

فیض القاری اردو نوٹ صحیح البخاری	الحل الرضی اردو نوٹ جامع الترمذی	الحل المفهم اردو نوٹ الصحیح لمسلم	امداد الطحاوی اردو نوٹ طحاوی	الحل المنضود اردو نوٹ سنن ابی داود
مصباح الساری اردو نوٹ صحیح البخاری	کفایة الحاجة لحل اسئلة سنن ابن ماجة	تحفة الاجودين لحل مشكلات الموطين	لمعات النكات اردو نوٹ مشكوة المصابيح	تنظيم الدراية اردو نوٹ الهداية سوم
عمدة البداية اردو نوٹ الهداية آخرين	الكفاية عربی نوٹ الهداية چهارم	تحفة الراجی اردو نوٹ السراجی فی المیراث	الحل للمیراث اردو نوٹ السراجی فی المیراث	سراجی کا آسان حل اردو
الفرائد اردو نوٹ شرح العقائد	مبادی الکلام عربی نوٹ شرح العقائد	اشرف الکمالین اردو نوٹ تفسیر الجلالین	عمدة الفکر اردو نوٹ نخبة الفکر	التقریر الکافی اردو نوٹ تفسیر البیضاوی
معین المتنبی اردو نوٹ دیوان المتنبی	معین المیبذی اردو نوٹ المیبذی	معین الحسامی لحل اسئلة الحسامی	مصباح السعاية اردو نوٹ الهداية دوم	تحسین المعانی اردو نوٹ مختصر المعانی
عمدة البداية اردو نوٹ الهداية اول	عمدة البداية اردو نوٹ الهداية دوم	معین العلوم اردو نوٹ سلم العلوم	تحسین الوقاية اردو نوٹ شرح الوقاية اول	تحسین الوقاية اردو نوٹ شرح الوقاية دوم
العيون الجارية اردو نوٹ المقامات الحريرية	تحسين الحواشى اردو نوٹ اصول الشاشى	معين القدوری اردو نوٹ مختصر القدوری	شافعه اردو نوٹ كافيه	مهمات النحو اردو نوٹ هداية النحو

اشرفی بک ڈپو دیوبند یوپی

ASHRAFI BOOK DEPOT

Deoband, Distt. Sahranpur (U.P.) Pin-247554, INDIA
Mobile: 09358001571, Whatsapp: 09810383186
email: ashrafibooks@gmail.com

Website: NewMadarsa.blogspot.com
Telegram channel : New Madarsa